www.mohaddis.com

324

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

محدّث

ستمبر ۲۰۰۸ء

۱۰ مشرف کی رخصتی اور مسائل میں سلگتا
۱۲ حدیث کی تدوین وتعبیرنو کی سازش
۲۸ مروّجہ اسلامی بینکاری کی چند خرابیاں

مجلس التحقیق الاسلامی
مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
PAKISTAN

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملّتِ اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ محدّث لاہور پاکستان

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبد الرحمن مدنی

مُدیر: حافظ حسن مدنی

Only For SMS
0333-4213525

جلد ۴۰ / شمارہ ۱۰ — شوال المعظم ۱۴۲۹ھ — اکتوبر ۲۰۰۸ء

فہرست مضامین

فکر و نظر

ارضِ وطن میں صبحِ نو کب طلوع ہوگی؟ — محمد عطاء اللہ صدیقی — 2

حدیث و سنت

انکارِ حدیث کے نئے شبہات کا جائزہ — حافظ عمران ایوب — ۱۸

فقہ و اجتہاد

کیا والد بیٹے کا مال لے سکتا ہے؟ ② — شیخ سائد بکداش — ۳۱

عدل و قضا

سیرتِ نبویؐ اور پاکستان میں عدل ② — ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر — ۴۸

تاریخ و سیر

ہندؓ بنتِ عتبہ کے متعلق مبالغہ آمیز قصہ — مولانا عبد الجبار سلفی — ۷۴

زرِ سالانہ: =/۲۰۰ روپے
فی شمارہ: =/۲۰ روپے

بیرونِ ملک
زرِ سالانہ: =/۲۰ ڈالر
فی شمارہ: =/۲ ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن لاہور 54700

☎ : 5866476
5866396
5839404

Email:
hhasan@wol.net.pk

Publisher:
Hafiz Abdul Rahman Madani

Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

Islamic Research Council

محدّث کتاب و سنّت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر

'زہق الباطل' کے بعد 'جاء الحق' کب ہوگا؟

۱۸/اگست ۲۰۰۸ء پاکستان کے کروڑوں دین پسند، محبِّ وطن اور باطل دشمن افراد کے لئے زھق الباطل کی نوید لے کر آیا۔ یہی وہ مبارک اور تاریخ ساز دن تھا جب پوری دنیا کے اَربوں مسلمانوں نے ٹیلی ویژن پر براہِ راست (دو بجنے سے صرف دو منٹ پہلے) جنرل پرویز مشرف کی زبان سے صدارت سے مستعفی ہونے کا اعلان سنا۔ بالآخر ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۹ء کو ایک نادیدنی اور ہنگامی صورتِ حال میں پاکستان کی مسندِ اقتدار پر ایک آسیب کی طرح مسلط ہونے والا کج فہم، شیخی باز، شقی القلب، سیکولر اور اِلحاد پسند، جمہوریت شکن، فوجی ڈکٹیٹر منظر سے غائب ہوگیا اور ایسا غائب ہوا ہے کہ ہفتوں گذر جانے کے باوجود پاکستانی ستم رسیدہ قوم اس کی شکل دیکھنے اور آواز سننے کی اذیت سے اب تک محفوظ ہے اور ان شاء اللہ اس عافیت کوشی کا تسلسل قائم رہے گا۔

یہ سنتِ الٰہی ہے کہ قوموں کو ان کے گناہوں کی سزا ظالم حکمرانوں کی صورت میں دی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے پرویز مشرف کا آٹھ سال، دس ماہ اور ۶ دنوں پر محیط دورِ اہل پاکستان کے لئے ایک عذابِ الٰہی سے کم نہ تھا۔ اپنی پالیسیوں اور ان کے نتائج کے اعتبار سے یہ ایک سیاہ ترین دور تھا جس کے بھیانک اثرات ایک طویل عرصے تک محسوس کئے جائیں گے۔ پاکستان کے سیاسی، سماجی اور معاشی منظر پر وحشت و بربریت، ناآسودگی، غارت گری، دین سوزی، بے حیائی اور اِفلاس کے ایسے تاریک بادل چھا گئے ہیں کہ آفتابِ حق کا چہرہ نظر آنے کا دور دور تک امکان دکھائی نہیں دیتا۔

پاکستان کی تاریخ میں اس سے پہلے بھی بعض طالع آزما جرنیلوں نے اقتدار پر قبضہ کیا تھا، ان سے نفرت کرنے والے بھی بہت تھے، مگر جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف پاکستان کی سڑکوں، بازاروں اور گلیوں میں جس طرح عوامی نفرت اور غیظ و غضب کے مناظر دیکھنے میں آئے، اس کی مثال نہیں ملتی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس قدر گالیاں کھانے کے بعد جس قدر ضد اور ڈھٹائی سے اس آخری ڈکٹیٹر نے اقتدار کے ڈولتے سنگھاسن پر پنجے گاڑے رکھے، یہ بھی اسی کا حوصلہ تھا۔

www.KitaboSunnat.com

اس کی الوداعی تقریر کے آخری جملے سننے والے تھے۔ اس نے اداکاری کرتے ہوئے یہ آخری تاثر دینے کی کوشش کی کہ وہ مستعفی ہوکر اس قوم پر احسانِ عظیم فرما رہے ہیں۔ ایسے موقعوں پر کہا جاتا ہے کہ ؎ گر مجھ پر احسان نہ کرتے تو یہ احسان ہوتا!!

سچی بات یہ ہے کہ عہدِ مشرف کا تصور ہی حد درجہ کربناک ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس کا تذکرہ نوکِ قلم سے نہیں بلکہ خونِ دل سے تحریر کیا جائے، تب بھی شاید مذمت اور ابطالِ باطل کا حق ادا نہ ہوسکے۔ خارجہ پالیسی پر نگاہ ڈالتے ہیں تو پاک دھرتی کا سینہ خون سے لتھڑا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ عظیم دھرتی جس پر بھارتی بزدلوں نے ۱۹۶۵ء میں قدم رکھنے کی کوشش کی تھی تو اس کے بہادر بیٹوں نے اپنی جانیں وار کر اس کی عصمت کی چادر میلی نہ ہونے دی تھی۔ آج اس دھرتی پر امریکی فوجیوں کے بوٹوں کی دھمک کان پھاڑے جاتی ہے، مگر قوم بے بس ہے۔ ۹/۱۱ کے بعد سرزمین پاک کو امریکی جنگی جہازوں کی پروازوں کے لئے کھلا چھوڑ دیا گیا۔ نتیجتاً پاکستان سے ۵۴ ہزار امریکی پروازیں افغانستان کے نہتے اور کمزور مسلمانوں پر بمباری کرنے کے لئے اُڑائی گئیں۔ ابھی یہ ۴ ستمبر ۲۰۰۴ء ہی کی بات ہے کہ رات کی تاریکی میں دو امریکی ہیلی کاپٹر شمالی وزیرستان میں انگور اڈّہ پر بمباری کرکے چلے گئے۔ اخباری رپورٹ کے مطابق امریکی فوجی ہیلی کاپٹر سے اُتر کر چن چن کر بیگناہ شہریوں کو گولیوں کا نشانہ بناتے رہے۔ آئے دن پاکستان کے سرحدی علاقوں کی آبادیوں پر میزائل سے حملے ہورہے ہیں، مگر ان کو روکنے والا کوئی نہیں۔ یہ سب مشرف کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ ہی تو ہے کہ آج پاکستان کی خودمختاری Sovereignth کو امریکی جی بھر کر پامال کررہے ہیں۔ حکومتِ پاکستان بے بس ہے اور عوام خون کے آنسو رو رہے ہیں۔

جنرل پرویز مشرف اپنے بہادر ہونے کا مصنوعی اشتہار دینے کا عادی تھا۔ اس نے شائستگی اور سارے پارلیمانی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پاکستان کی پارلیمنٹ میں مکا لہرا دیا تھا مگر ۹/۱۱ کے بعد امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ادنیٰ درجے کے اہل کار رچرڈ باؤچر کے ایک فون کی تاب نہ لاتے ہوئے امریکی جارح افواج کو ہر طرح کی سہولتیں دینے کی حامی بھرلی اور اس سلسلے میں پارلیمنٹ یا دیگر شرکائے اقتدار سے مشاورت بھی ضروری نہ سمجھی۔

۹/۱۱ کے ذمہ داروں کا آج تک تعین نہیں ہوسکا، خود امریکہ میں متعدد ایسی رپورٹیں شائع ہوچکی ہیں جن میں قرار دیا گیا ہے کہ القاعدہ میں اتنا بڑا کام کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ فرض

www.KitaboSunnat.com

کیجئے یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ ان ۱۹ نوجوانوں کی کارگزاری تھی جن کے نام امریکیوں نے مشتہر کئے، تب بھی اس بات کا عسکری یا اخلاقی جواز نہیں بنتا کہ ایک آزاد اور خودمختار مسلمان ملک پر جدید ہولناک بموں اور ہتھیاروں سے کارپٹ بمباری کرتے ہوئے اس کی آبادیوں اور ہنستے بستے شہروں کو کھنڈرات میں بدل دیا جائے۔ اس کے لاکھوں بے گناہ مردوں، عورتوں اور بچوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا وحشیانہ اقدام اُٹھایا جائے اور اس ملک پر باقاعدہ فوجی قبضہ کرلیا جائے۔ افغانستان تو ایک مسلمان اور ہمسایہ ملک ہے، اگر امریکہ مسلمانوں کے بدترین دشمن یہود و ہنود کے خلاف بھی ایسی ظالمانہ کارروائی کرے تب بھی اسلام اس کی حمایت کی اجازت نہیں دیتا۔ چہ جائیکہ کہ ایک مسلمان ملک کا سربراہ بے حد غلامانہ انداز میں اپنے کندھے جارح افواج کے لئے پیش کردے اور اس نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اس کا دست و بازو بن جائے۔ ہمارا ضمیر ہمیں سونے نہیں دیتا کہ افغانستان کے لاکھوں مسلمانوں کے خلاف دورِ حاضر کی بدترین ریاستی دہشت گردی اور وحشیانہ جارحیت میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومت امریکہ کے ایک اہم فرنٹ لائن پارٹنر کا کردار ادا کرتی رہی ہے۔ اور اس طرح جنرل پرویز مشرف نے اسلامی اُخوت کے تصور پر کاری ضرب لگائی اور مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔

اقوامِ عالم کی تاریخ پڑھ جایئے۔ پوری انسانی تاریخ میں ریاستی سطح پر آپ کو یہ پالیسی کہیں پڑھنے کو نہیں ملے گی کہ کسی حکمران نے اپنے ملک کے باشندوں کو پکڑ پکڑ کر دشمن کے حوالے کیا ہو اور اس کی قیمت بھی وصول کی ہو۔ یہ سیاہ بختی بھی پرویز مشرف کے نامۂ اعمال میں لکھی گئی تھی کہ اس نے ہزاروں پاکستانیوں کو دہشت گرد قرار دے کر گرفتار کرایا اور اسے امریکہ کے حوالے کردیا جو گوانتاناموبے جیل کے جہنم زار میں انسانیت سوز مظالم کا شکار ہیں۔ اس بے غیرتی میں سفارتی آداب بھی فراموش کردیئے گئے اور پاکستان میں افغانستان کے سفیر ملا عبدالسلام ضعیف کو بھی امریکی فوج کے حوالہ کردیا گیا۔ کتنی ستم ظریفی ہے کہ اس بہیمانہ فعل پر شرمسار ہونے کی بجائے پرویز مشرف نے اپنی کتاب میں بڑے غلامانہ فخر کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حکومتِ پاکستان نے چھ سو سے زیادہ افراد کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کیا اور ہر قیدی کے بدلے پانچ ہزار ڈالر وصول کئے۔ پاکستان جیسی عظیم اسلامی ریاست کا صدر اخلاقی پستی میں اس قدر گرسکتا ہے، اس کا تصور ہی روح فرسا ہے!! ؎ تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو

اور پھر اُس روح و بدن کو لرزا دینے والے واقعہ کا ذکر دل گرفتگی اور حزن کے بغیر کیونکر کیا

www.KitaboSunnat.com

جاسکتا ہے۔ ۱۰؍جولائی ۲۰۰۷ء پاکستان کی تاریخ کا الم ناک ترین دن تھا جب لال مسجد کو شہید کیا گیا اور جامعہ حفصہ کی ہزاروں معصوم بچیوں کے جسموں کو فاسفورس کے بموں سے تحلیل کردیا گیا۔ اسلام کی ان مقدس بیٹیوں کے جسموں کے ٹکڑے دیر تک ساتھ بہتے گندے نالے سے ملتے رہے۔ قرآنِ مجید کے صفحات بھی اسی ناپاک مقام میں جا بجا بکھرے نظر آئے۔ صحافیوں نے بتایا کہ ان معصوم طالبات کے جسموں کے لوتھڑے اور بوٹیاں ٹرکوں میں لاد کر کہوٹہ اور کلر کہار کے قریب برساتی نالوں اور کھائیوں میں پھینک دیئے گئے تھے۔ غازی عبدالرشید شہید اور ان کے ساتھی آخری لمحات میں لال مسجد چھوڑنے کو تیار ہوگئے تھے۔ مصدقہ اطلاع کے مطابق معاہدہ طے ہوگیا تھا مگر اس درندہ صفت اور شقی القلب حکمران کی جھوٹی اَنا کی تسکین اور امریکی خوشنودی کے حصول کی غلامانہ خواہش کے سامنے کسی کی نہ چل سکی۔ بعض وفاقی وزیر ٹیلیویژن پر بے بسی سے روتے دکھائی دیئے۔ ظلم و بربریت کی تاریخ دہرائی گئی اور پانچ روز سے پانی پر گزارا کرنے والے فاقہ کش اور پناہ گزیں مسلمانوں اور معصوم بچیوں کو اس قدر بھی ظالموں نے رحم کے قابل نہ سمجھا کہ ان کی لاشوں کو صحیح سلامت ان کے ورثا کے حوالے کردیتے۔ اُنہیں ریزہ ریزہ کردیا گیا۔ چنگیز خان اور ہلاکو خان جیسے ظالم حکمرانوں کی اَرواح بھی شاید معصوم بچیوں کے اس بہیمانہ قتل عام پر تڑپ اُٹھیں، مگر ایوانِ صدر پر قابض حکمران کو ذرا بھر رحم نہ آیا۔ پورا پاکستان سوگوار تھا، در و دیوار ماتم کناں تھے، پاکستانی قوم پر سکتے کی کیفیت طاری ہوگئی، مگر یہ وحشی، یہ سفاک اور شقی القلب جو کل تک اس مملکتِ خداداد کے سیاہ و سفید کا مالک تھا، اُس کا ضمیر.....؟ وہ تو مر چکا تھا۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو پورے ایک سال کے بعد ۷؍جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں تاجروں سے خطاب کرتے ہوئے وہ یہ کبھی نہ کہتا کہ میں ان فوجیوں کو سلام کرتا ہوں جنہوں نے جامعہ حفصہ کا آپریشن کیا۔ اگر لال مسجد کو ختم نہ کیا جاتا تو پورے پاکستان میں ایسی مساجد بن جاتیں۔ ایسے شخص کی اس سفاکانہ ذہنیت پر انسانیت نوحہ کرتی رہے گی اور یہ اس دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت کا استعارہ بنے رہے گا۔

یہ محض سوے اتفاق نہیں کہ اب تک پاکستان کے جتنے بھی صدور یا چیف آف دی آرمی سٹاف گذرے ہیں، ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے پرویز مشرف کسی کے پاسنگ میں بھی نہیں۔ شاید ہی کسی جرنیل کے جثّے پر وردی اتنی بدنما لگتی ہو، مگر اُسے اس وردی پر بہت گھمنڈ تھا،

www.KitaboSunnat.com

وہ اسے اپنی کھال کہتا تھا۔ ۹/ مارچ ۲۰۰۷ء بھی پاکستانیوں کو ہمیشہ یاد رہے گا جب پرویز مشرف نے وردی میں ملبوس ہوکر پاکستان کے چیف جسٹس محمد افتخار چوہدری سے جی ایچ کیو میں استعفیٰ طلب کیا۔ اس نے رعب ڈالنے کے لئے دو تین جرنیل بھی پاس بٹھا رکھے تھے۔ مگر اس دن پاکستان کے چیف جسٹس نے انکار کرکے ایک بدخو ڈکٹیٹر کا غرور خاک میں ملا دیا۔ جسٹس افتخار چوہدری کا حرفِ انکار آمریت کے بھونڈے چہرے پر ایک طمانچے سے کم نہ تھا۔ آمر کو اس جسارت کی توقع نہ تھی۔ وہ چیف جسٹس کو اس جسارت کا مزہ چھکانے پر تل گیا، اُسے اور اس کے بچوں کو ان کے گھر میں قید کردیا گیا۔ اُنہیں ذلیل کرنے کی ہر صورت آزمائی گئی، بے گناہ بچوں کو سکول جانے سے روک دیا گیا۔ ان کی گھر کے اندر بھی نقل وحرکت بس ایک کمرے تک محدود تھی، وہ کچن تک نہیں آسکتے تھے، پہرہ داروں کا غول خوف مسلط کرنے کی غرض سے ایستادہ کردیا گیا، ملاقاتیں اور فون پر رابطے یکسر منقطع کردیئے گئے۔ مگر بددماغ آمر یہ بات بھول گیا کہ اللہ جسے چاہتا ہے، عزت یا ذلت عطا کرتا ہے۔ اُسے یاد نہ رہا کہ عزت اور اعزاز کا تعلق وردی یا کرسی سے نہیں ہے، یہ خدا کی عطا ہے جسے وہ عطا کردے۔ بالآخر اللہ نے جسٹس افتخار چوہدری کو 'قومی افتخار' کی علامت بنادیا، اس کو پاکستانی قوم نے وہ عزت، احترام اور دلی محبت دی جس کا تصور ہی محال ہے۔ بے چہرہ آمر کے مقدر میں ذلت لکھ دی گئی۔ وکلا اور سول سوسائٹی کے ہزاروں کارکن میدان میں نکلے اور آمر پر وہ تھوتھو کی کہ جس کا بیان بے سود ہے، سب جانتے ہیں، اُسے کن کن 'القابات' سے نوازا گیا۔ حیرت تو یہ ہے کہ سابق فوجیوں کی تنظیم 'ایکس سروس مین سوسائٹی' کے صدر نے یہاں تک کہہ دیا کہ پرویز مشرف باؤلا جانور ہے، اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جانا چاہئے جیسا کہ ایک باؤلے جانور کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اخبارات نے بھی اس کا یہ بیان چھاپ دیا۔ یہ خدا کی طرف سے ذلت ونکبت تھی جو اس 'کھال پوش' آمر کے مقدر میں لکھ دی گئی۔

میں نہیں جانتا کہ حالیہ تاریخ میں کوئی ایک بھی دوسرا حکمران ہے جسے اپنی قوم کی طرف سے اس قدر نفرت اور تحقیر کا نشانہ بنایا گیا ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پرویز مشرف بڑے آہنی اعصاب کا مالک ہے، ورنہ کوئی اور ہوتا تو کب کا مر چکا ہوتا۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر یہ ضد اور ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی کے جذبات پیدا کردیئے تاکہ اسے طویل عرصہ تک یوں ذلیل کروا کر اس ظالم اور شقی القلب حکمران کو لوگوں کے لئے نشانۂ عبرت بنادے۔ مشہور ارشادِ ربانی ہے کہ ''اللہ عزوجل جسے چاہتا ہے، عزت عطا کرتا اور جسے چاہتا ذلیل ورسوا کردیتا

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ خیر کی کنجیاں اس کے پاس ہیں اور وہ ہر شے پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔'' (آل عمران:۲۶)

۲۰/ جولائی ۲۰۰۷ء کو سپریم کورٹ کے فل بنچ نے، جس کی صدارت جسٹس خلیل الرحمٰن رمدے کررہے تھے، غیر فعال چیف جسٹس افتخار چوہدری صاحب کو ایک متفقہ فیصلے کے ذریعے بحال کردیا۔ سپریم کورٹ کے فاضل جج صاحبان باوردی صدر کے سامنے قانون کی بالادستی اور عدلیہ کے وقار کو بلند رکھنے کا عزم کئے ہوئے تھے۔ قوم نے ان کے اس جرات مندانہ اور تاریخ ساز فیصلہ کو بے حد سراہا۔ فوجی آمر کو اپنا مستقبل ڈانواں ڈول نظر آنے لگا۔ اب وہ بے چین رہنے لگا کہ کس طرح قومی اسمبلی، صوبائی اسمبلیوں سے اپنے آپ کو آئندہ پانچ سال کے لئے صدر منتخب کرالے۔ آئینی ماہرین کا خیال تھا کہ یہ اسمبلیاں جن کی مدت ختم ہورہی تھی، جنرل پرویز مشرف کو دوبارہ صدر منتخب کرنے کا اختیار نہیں رکھتی تھیں۔ اُدھر وردی اُتار دینے کا مطالبہ بھی شدت اختیار کرگیا، اس معاملے میں جنرل صاحب کے بیرونی دوستوں کا دباؤ بھی کم نہ تھا۔ عوامی مطالبے کے علیٰ الرغم جنرل پرویز مشرف نے صدارتی انتخابات کا اعلان کردیا۔ سپریم کورٹ میں اُس کی اہلیت کو چیلنج کردیا گیا کہ آیا وہ تیسری بار صدارتی انتخاب کے لئے آئین کی رو سے امیدوار ہوبھی سکتا ہے یا نہیں؟ سپریم کورٹ میں رِٹ پٹیشن کی سماعت کے دوران لگ رہا تھا کہ اس دفعہ عدلیہ میرٹ پر فیصلہ دے گی۔ ۲۰/ جولائی والے فیصلے نے ہی ظاہر کردیا تھا کہ اب یہ ماضی کی 'نظریۂ ضرورت' کی رعایت رکھنے والی عدلیہ نہیں ہے۔ فوجی آمر کیس کی پیش رفت پر عقابی نگاہیں رکھے ہوئے تھا، وہ اپنے 'قانونی ماہرین' سے مشورے کے بعد آگے بڑھ کر اقدام کرنے کا بندوبست کرچکا تھا۔ نجانے کس ذریعے سے اُسے بھنک پڑی کہ سات ججوں پر مشتمل سپریم کورٹ کا فاضل بنچ اُس کے خلاف فیصلہ دینے کے لئے ذہن بناچکا ہے۔ کمانڈو صدر نے ایک دن کی بھی تاخیر گوارا نہ کی اور ۳/ نومبر ۲۰۰۷ء کو ایمرجنسی لگادی۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور اس بنچ کو معزول کردیا۔

عدالتِ عظمیٰ اور عدالت ہائے عالیہ کے جج صاحبان سے تقاضا کیا گیا کہ وہ پی سی او کے تحت نیا حلف اٹھائیں۔ انکار کرنے والے سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ۶۰ جج صاحبان کو گھر بھیج دیا گیا۔ ایک فوجی آمر نے اپنی نااہلی کے فیصلے کے خوف سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کو دوسری مرتبہ توڑا اور دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی ملک کی اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کی اتنی کثیر تعداد کو گھر بھیجنے کا انتہائی اِقدام اٹھا کر بدترین رسوائی مول لی۔ اس کے باوجود موصوف کو جب

www.KitaboSunnat.com

مؤاخذے کا سامنا کرنا پڑا تو اپنی آخری تقریر میں من جملہ دیگر بے بنیاد دعوؤں کے یہ دعویٰ بھی کیا کہ اس نے ہر فیصلہ محض قومی مفاد کے لئے کیا، اپنی ذات کے لئے نہیں۔ حیرت ہے کہ یہ بات قوم اور پوری دنیا کے سامنے کہتے ہوئے اُسے یہ خیال بھی نہ آیا کہ اس کی اس بات کی بڑی آسانی سے تردید کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ وہ خود اس بات کا اعتراف کر چکا تھا کہ ۲/نومبر کا اس کا اقدام ماورائے آئین تھا۔ اسکے باوجود اپنی آخری تقریر میں بڑے دھڑلے سے پرویز مشرف نے کہا کہ اس نے کوئی ایسا Misconduct نہیں کیا کہ جس کی بنیاد پر اس کا مؤاخذہ کیا جائے۔ گویا آئین کی دھجیاں بکھیرنا اُس کے نزدیک بازیچۂ اطفال تھا۔ کیا کوئی شخص بقائم ہوش و حواس ایسی باتیں کرسکتا ہے؟ کیا صدارت پر فائز کسی شخص کو اس طرح کی باتیں زیب دیتی ہیں؟

۱۷/اگست ۲۰۰۸ء کے اخبارات نے رپورٹ کیا کہ حکمران اتحاد نے جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف چارج شیٹ (فردِ جرم) مرتب کرلی ہے اور اس میں تیس سے زیادہ الزامات کو شامل کیا گیا ہے اور اس کی ضخامت ۲۰۰ صفحات سے بھی زیادہ ہے۔ مگر جونہی مشرف نے مستعفی ہوکر گوشہ عافیت میں پناہ لی، اس کا ذکر ہی گول کردیا گیا۔ لوگ منتظر تھے کہ اس کی تفصیلات منظر عام پر لائیں جائیں مگر اسے ایک 'خفیہ دستاویز' کی حیثیت دے کر چھپا دیا گیا اور اُلٹا آصف علی زرداری نے بیان داغ دیا کہ سابق صدر پرویز مشرف کو Indemnity (معافی) دینے کے لئے پارلیمنٹ میں بل لایا جائے گا۔

یقین نہیں آیا کہ یہ وہی آصف علی زرداری ہے جس نے ۲/ستمبر ۲۰۰۰ء کو بیان دیا تھا کہ ''پرویز مشرف نے امریکہ سے ملنے والی سالانہ امداد سے ہر سال صرف ۲۵ کروڑ ڈالر دہشت گردی کے خلاف جنگ میں استعمال کئے ہیں، باقی ۷۵ کروڑ ڈالر سالانہ خورد برد کئے ہیں، ہم اس کا حساب لیں گے۔'' اگر آصف علی زرداری کا بیان درست ہے تو گذشتہ چھ سالوں میں خورد برد کی جانے والی رقم تین ارب ۷۵ کروڑ ڈالر بنتی ہے، اسے روپوں میں منتقل کریں تو یہ تین کھرب روپے سے زیادہ کی رقم ہوگی۔ جاننا چاہئے کہ اتنی بڑی خورد برد کا الزام لگانے والے صاحب اب خود صدرِ مملکت ہیں اور الزام علیہ سابق صدر ہیں مگر پاکستان میں ابھی تک موجود ہیں؟ کیا یہ محض ایک بے بنیاد الزام تھا؟ اگر ایسا تھا تو کیا یہ مناسب نہ تھا کہ آصف علی زرداری صدارت کا حلف اُٹھانے سے پہلے پرویز مشرف اور قوم سے اس کی معافی مانگتے؟ اگر اس الزام میں ذرّہ برابر بھی صداقت ہے تو پھر یہ معافی کا اعلان کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ کیسا سنگین مذاق ہے جو

www.KitaboSunnat.com

اس بدقسمت قوم کے ساتھ کیا گیا ہے۔ایک ایسا شخص جس نے آئین کو دومرتبہ پامال کیا اور سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ۶۰ جج صاحبان کو معزول کرکے اُنہیں گھروں میں قید کیا، اس کے لئے ابھی سے معافی کی باضابطہ تیاری؟..... بے حد تعجب ہے!!

۷/اگست ۲۰۰۸ء کو میاں نواز شریف اور آصف علی زرداری نے مشترکہ پریس کانفرنس کے ذریعے اعلان کیا کہ صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کے مؤاخذے کی تحریک عنقریب پارلیمنٹ میں پیش کی جائے گی، مطلوبہ ارکان کی تعداد میسر ہے اور تحریکِ مؤاخذہ کی بحالی کے فوراً بعد غیر فعال چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری سمیت تمام جج صاحبان کو بحال کردیا جائے گا۔مگر یہ ایک شاطرانہ چال تھی جو آصف علی زرداری نے چلی۔

۱۸/اگست کی شام پرویز مشرف نے ایوانِ صدر سے جونہی قدم نکالا، تو زرداری نے ایک دفعہ پھر آئینی پیچیدگیوں کی پٹاری کھول دی اور ججوں کی بحالی کے وعدے سے نہ صرف مکر گئے بلکہ نہایت افسوس ناک بیان بھی دے دیا کہ ''معاہدے قرآن و حدیث نہیں ہوتے۔'' میاں نواز شریف صاحب پریس کے سامنے زرداری کے دستخط شدہ معاہدے کی کاپیاں لہراتے رہ گئے۔ وہ صحافیوں کے سوال پر بے حد شرمندہ ہوتے ہوئے محض ایک فلمی گیت کے مصرعہ یعنی ''کیا ہوا تیرا وعدہ'' دہرانے کے علاوہ آخر کر بھی کیا سکتے تھے؟ میاں صاحب نے پریس کانفرنس میں اعتراف کیا کہ ''اب ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں استعمال کیا گیا ہے۔'' موصوف نے صحافیوں کے سامنے یہ بھی انکشاف کیا کہ ''آصف علی زرداری تو اپنے بیڈروم سے قرآن مجید بھی اُٹھالائے تھے کہ ہمیں ہر طرح کا اعتماد دلاسکیں۔لیکن میں نے روک دیا کہ سیاسی باتوں میں قرآن اٹھانا درست نہیں۔''

میاں صاحب نے وضاحت کی کہ ''آصف علی زرداری نے اب تک ان سے کئے گئے دس وعدوں سے انحراف کیا ہے، محض تین دفعہ نہیں۔'' کاش کہ میاں صاحب وہ حدیث شریف ذہن میں رکھتے کہ ''مؤمن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔''

معلوم ہوتا ہے کہ ایوانِ صدر میں جلوہ گر ہونے کے لئے آصف علی زرداری نے طویل منصوبہ بندی کررکھی تھی۔ وہ مسلسل شاطرانہ سیاست کے پتے کھیلتا رہا جسے اُس کے حواری میڈیا میں 'تدبر' کا نام دے کر گذشتہ چند ماہ میں اس کا تاثر بہتر بنانے کی کوشش کرتے رہے، نواز شریف صاحب کو بھی اس کی گیم کم ہی سمجھ آئی۔ اس نے ثابت کیا کہ چالبازی، ہوشیاری اور چالاکی میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ سیاست میں مخالف کو فریب دینے کے عمل کو اس نے 'آرٹ'

www.KitaboSunnat.com

کے درجے تک پہنچادیا۔ جج بحال نہ کرنے کے لئے وہ مسلسل حیلے تراشتا رہا اور مسلم لیگ (ن) کو اس وقت تک اپنے دائرے سے باہر نہ نکلنے دیا جب تک کہ مشرف کو نکال کر ایوانِ صدر میں پہنچنے کا راستہ بالکل صاف نہ ہوگیا۔ جب آصف علی زرداری نے جج بحال کرنے کے وعدہ سے انحراف کردیا تو مسلم لیگ (ن) نے حکمران اتحاد سے حتمی علیحدگی کا اعلان کردیا۔ اسی دن آصف علی زرداری نے میڈیا پر آکر میاں صاحب کے فیصلے پر 'افسوس' کا اظہار کیا اور اُنہیں فیصلہ واپس لینے کی 'درخواست' کی۔ زرداری نے خود اپنی اُمیدواری کا اعلان کرنے کی بجائے اپنی پارٹی کے لوگوں کے ذریعے 'مطالبے' کی فریب انگیز مہم چلائی۔

بہت کم لوگوں کو توقع تھی کہ آصف علی زرداری صدارت کے لئے خود اُمیدوار بنیں گے۔ ماضی میں کرپشن کے الزامات کی وجہ سے وہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر کافی بدنام اور متنازعہ فیہ ہوچکے تھے۔ یہی وجہ ہے آصف علی زرداری کے صدارتی امیدوار کے طور پر سامنے آتے ہیں انٹرنیشنل میڈیا میں ہاہا کار مچ گئی۔ ۴ ستمبر کی شام جیوٹی وی پر معروف اینکر پرسن کامران خان نے بتایا کہ بین الاقوامی پریس اور الیکٹرانک میڈیا میں ساڑھے چار ہزار سے زائد مضامین، تبصرے اور خبریں شائع ہوئیں جن میں آصف علی زرداری کی شخصیت کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

لندن سے شائع ہونے والے معروف روزنامہ 'فنانشل ٹائمز' نے آصف علی زرداری کی ایک سال پہلے کی میڈیکل رپورٹ کی نقول شائع کیں جن کی رو سے وہ امریکہ کے ذہنی امراض کے ایک معروف ڈاکٹر کے زیرعلاج رہے تھے۔ ان کے شدید ڈپریشن اور Demensim (یادداشت کا ختم ہونا) کی بیماری کی وجہ سے ایک سال پہلے برطانیہ کی عدالت سے درخواست کی گئی تھی کہ اُنہیں عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ قرار دے۔ پاکستانی اخبارات نے نیویارک ٹائمز، واشنگٹن ٹائمز، گارڈین، ڈیلی ایکسپریس، ٹائم اور نیوز ویک جیسے عالمی شہرت یافتہ اخبارات میں شائع ہونے والے مضامین کو دوبارہ شائع کیا۔ الیکٹرانک میڈیا کا شاید ہی کوئی معروف ٹاک شو ہو جس میں ان خبروں کو زیر بحث نہ لایا گیا ہو۔ بین الاقوامی اخبارات نے آصف علی زرداری کے خلاف کرپشن کے مقدمات کی تفصیلات دیں۔ بعض اخبارات نے اُسے جوانی میں 'پلے بوائے' کے طور پر پیش کیا۔

۲۸ اگست کو صدارتی انتخابات کے لئے کاغذات جمع کرانے کی آخری تاریخ تھی۔ ٹھیک ایک دن پہلے سوئٹزرلینڈ کی عدالت نے بیان کیا کہ حکومتِ پاکستان کے تفتیشی افسر نے آصف علی زرداری

www.KitaboSunnat.com

کے خلاف منی لانڈرنگ کا کیس واپس لینے کی درخواست کی ہے جو منظور کرلی گئی ہے اور عدالت ۶۰ ملین ڈالر (تقریباً ساڑھے پانچ ارب روپے) آصف زرداری کے اکاؤنٹ میں واپس کردے گی۔

عمران خان، مشاہد حسین سید جو مسلم لیگ (ق) کے صدارتی اُمیدوار تھے، اور کئی دیگر شخصیات نے بار بار مطالبہ کیا کہ آصف علی زرداری وضاحت کرے کہ یہ ۶۰ ملین ڈالر کہاں سے آئے تھے۔ مشاہد حسین سید نے تو زرداری کو ٹیلیویژن پر باقاعدہ مجادلے اور مباحثے کا بار بار چیلنج دیا مگر اس طرف سے وضاحت نہ آئی۔ البتہ پیپلز پارٹی کے ذمہ داران بار بار آصف زرداری کی بے گناہی کا ڈھونڈورا پیٹتے رہے۔ ۴/ستمبر کو روزنامہ 'نوائے وقت' میں خبر شائع ہوئی کہ آصف علی زرداری کے اثاثہ جات کی مالیت ۶/ارب ڈالر (۷۸۰ ارب روپے تقریباً) ہے۔ تادم تحریر اس خبر کی تردید آئی ہے، نہ مذکورہ اخبار کے خلاف کاروائی کا کوئی نوٹس موصول ہوا ہے۔

جنرل مشرف کے مستعفی ہونے کے بعد بعض حلقوں کو اُمید تھی کہ شاید فاٹا اور سوات کی صورتحال میں بہتری آئے، توقع کی جارہی تھی کہ امریکی ایجنڈے پر عمل درآمد کی رفتار میں کمی آجائے گی مگر بسا آرزو کہ خاک شد۔ جو لوگ ایسا سوچ رہے تھے، اُنہیں یہ دیکھ کر بے حد مایوسی ہوئی کہ وزیرستان، سوات اور باجوڑ میں فوجی آپریشن میں اضافہ ہوگیا۔ ماہِ رمضان شروع ہونے سے تین دن پہلے اعلان کیا گیا کہ احترامِ رمضان میں آپریشن بند کردیئے جائیں گے۔ مولانا فضل الرحمٰن نے بھی ٹیلیویژن پر انٹرویو میں قوم کو یقین دلایا کہ اس بارے میں حکومت سے ان کی بات ہوگئی ہے اور اُنہوں نے اسے آصف زرداری کو ووٹ دینے کے لئے پیشگی شرط بھی قرار دیا۔ مگر بدنصیب قوم کو ان اعلانات اور وعدوں کی اصل حقیقت تب معلوم ہوئی جب باجوڑ میں سیکورٹی فورسز کی شدید بمباری اور تباہی کے بعد چار لاکھ سے زیادہ افراد ہجرت کرکے مردان، مالاکنڈ، چارسدہ، پشاور اور دیگر محفوظ مقامات پر بے خانماں برباد قافلوں کی صورت میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور ہوئے۔

بے گناہ شہریوں پر یہ ظلم تو مشرف کے عہد میں بھی نہیں ہوا تھا۔ مشیر داخلہ رحمٰن ملک جس کے امریکی ایجنٹ نہ ہونے میں بہت کم لوگوں کو شک ہے، نے ایک تابع فرمان غلام کی طرح اعلان کیا کہ ۱۱۰۰ طالبان کو ہلاک کردیا گیا ہے۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ اس ہولناک گولہ باری میں جان بحق ہونے والے بچوں اور عورتوں کی تعداد کتنی ہے؟ ادھر گذشتہ ہفتے سے شمالی اور جنوبی وزیرستان میں امریکی افواج بلاناغہ بے گناہ شہریوں کو میزائلوں کا نشانہ بنا کر شہید کررہی ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

اب تو ان کی جارحانہ کارروائیوں نے باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار کرلی ہے۔ چند روز سے انگوراڈہ پر رات کی تاریکی میں امریکی ہیلی کاپٹروں سے اتر کر امریکی فوجیوں نے ۲۲ بے گناہ پاکستانی قبائلی عورتوں اور بچوں کو فائرنگ کرکے موت کے گھاٹ اُتار دیا اور پھر بڑے آرام سے واپس چلے گئے۔ ارضِ پاک پر ناپاک قدم رکھنے والے ان ظالموں کو کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ آئے روز کے ان امریکی حملوں نے پاکستان کی حاکمیتِ اعلیٰ کو ایک سوالیہ نشان بنا دیا ہے۔ اخبارات کے تبصروں میں جب یہ پڑھنے کو ملتا ہے کہ نیٹو افواج کو سابق صدر پرویز مشرف کے دور سے خفیہ اجازت ملی ہوئی ہے، تو دل خون کے آنسو رونے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ دھیمے انداز میں مصنوعی احتجاج بھی ہورہا ہے، مگر اس کے اثرات مرتب نہیں ہورہے ہیں۔ ایک دن خبر شائع ہوئی کہ پاکستان نے امریکی افواج کے لئے ساز وسامان اور خوراک پہنچانے والے ٹرکوں کو طورخم بارڈر پر روک دیا ہے۔ کس قدر اطمینان ہوا کہ کچھ تو قومی حمیت کا اظہار ہوا ہے۔ مگر افسوس! دوسرے دن مشیر داخلہ نے وضاحت کی کہ اس خبر میں کوئی صداقت نہیں۔ ۱۱ر ستمبر کو جنرل پرویز اشفاق کیانی کا بیان شائع ہوا کہ پاکستان کی سالمیت کا ہر قیمت پر دفاع کیا جائے گا۔

خودکش حملوں کو مشرف کے خلاف ردّعمل کہا جاتا تھا، مگر موجودہ حکومت نے فاٹا، سوات اور باجوڑ میں جب پرانی پالیسی کو تبدیل نہ کیا اور آپریشن کی شدت میں اضافہ کردیا تو گذشتہ دنوں بہت ہی خوفناک خودکش حملوں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا۔ واہ کینٹ، پشاور کے ہسپتال اور کوہاٹ روڈ پر ہونے والے المناک خودکش حملوں میں سینکڑوں بے گناہ مزدور، محنت کش، غریب لوگ شہید ہوگئے۔ فاٹا کے علاقوں میں ہونے والے آپریشنز میں بلاشبہ ظلم ہورہا ہے مگر اس طرح کے خودکش حملے بھی ظلم اور بدترین فساد کے زمرے میں آتے ہیں۔

ہم نے فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کی طرف سے یہودیوں کے خلاف خودکش حملوں کے متعلق عرب وعجم کے علما کی آرا دیکھی ہیں، مگر پاکستان میں ہونے والے خودکش حملوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسا ظلم کرنے والے طالبانِ شریعت نہیں ہوسکتے بلکہ ظالمانِ بربریت ہیں۔ اس سلسلے میں پوری تحقیق کی ضرورت ہے کہ یہ حملے فاٹا کے مظلوم مسلمانوں کی طرف سے ہورہے ہیں یا بھارتی 'را' اور دیگر پاکستان دشمن عناصر ان کو استعمال کررہے ہیں۔

۶ر ستمبر کو صدارتی انتخابات کے جو نتائج سامنے آئے، اس کے بارے میں کوئی تجسّس تھا، نہ کسی کو حیرت ہوئی۔ یہ نتیجہ پہلے سے معلوم تھا۔ آصف علی زرداری نے ۴۷۹، مسلم لیگ (ن)

www.KitaboSunnat.com

کے امیدوار جسٹس (ر) سعید الزماں صدیقی نے ۱۵۳ اور مسلم لیگ (ق) کے مشاہد حسین نے ۴۳ ووٹ حاصل کئے۔ ۸ ستمبر کو تقریبِ حلف وفاداری ہوئی۔ اس تقریب میں ایک ایسا شخص بھی موجود تھا جو ابھی چند ہفتے پہلے طالبان کے تعاقب میں پاکستان حدود میں افغان فوجی بھیجنے کی دھمکی دیتا رہا تھا۔ افغانستان سے آئے ہوئے اس جبہ پوش مسخرے اور امریکہ کے وفادار غلام کی موجودگی سے آصف علی زرداری نے بحیثیتِ صدر پاکستان جو تاثر دینا چاہا، اسے قاضی حسین احمد نے بجا طور پر امریکہ کو 'پہلا سلیوٹ' قرار دیا۔ حامد کرزئی کے ساتھ آصف علی زرداری کی 'پریس کانفرنس' کے خلاف ہمارے میڈیا نے کافی ناگواری کا اظہار کیا ہے، حتیٰ کہ روزنامہ 'جنگ' بھی اپنے تحفظات پیش کئے بغیر نہ رہ سکا۔

بات بہت طویل ہوگئی ہے مگر پھر بھی چند تاثرات کا بیان ضروری ہے۔ بہت سے لوگ توقع کر رہے تھے کہ آصف علی زرداری منصبِ صدارت پر پہنچنے کے بعد این آر او کے بارے میں عدمِ تحفظ سے باہر آجائیں گے اور چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری سمیت تمام جج صاحبان کو بحال کر کے 'نیک نامی' کمائیں گے، مگر ایسا نہ ہوا، کیوں؟ حقیقت یہ ہے کہ جب تک امریکہ سے منظوری نہیں آئے گی، چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب بحال نہیں کئے جائیں گے۔ اس 'منظوری' کے آنے کا فی الحال کوئی امکان نہیں، کیونکہ پرویز مشرف نے امریکہ کو یقین دلایا تھا کہ جسٹس افتخار محمد چوہدری نے ان غائب شدہ سینکڑوں افراد کی بازیابی اور عدالت میں پیش کرنے کے احکامات صادر کئے تھے جو 'دہشت گردی' میں ملوث ہیں۔ جن 'مقتدر قوتوں' نے ان افراد کو غائب کیا، ان کی ناراضگی کا کوئی بھی سیاستدان خواہ وہ صدر کیوں نہ بن جائے، متحمل نہیں ہوسکتا۔ ابھی چند دن پہلے وزیر قانون نے بیان دیا تھا کہ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری اگر بحال بھی ہوئے تو پہلے صرف جج کے طور پر حلف اٹھائیں گے، ان کے چیف جسٹس ہونے کا فیصلہ بعد میں کیا جائے گا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس غیر منطقی اور لغو بیان کی ضرورت کیا تھی؟ آخر یہ لوگ افتخار محمد چوہدری کو چیف جسٹس کے طور پر بحال کیوں نہیں کرنا چاہتے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ایسا چیف جسٹس کبھی نہیں چاہیں گے جس سے اُنہیں ہمیشہ خدشہ لاحق رہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق بنچ تشکیل دے گا۔

آصف علی زرداری نے کچھ عرصہ پہلے دینی مدارس پر پابندیوں کے متعلق جو بیان دیا تھا وہ ان کی سیکولر سوچ کا عکاس ہے۔ جون ۲۰۰۸ء میں موصوف کو 'سوشلسٹ انٹرنیشنل' کا نائب صدر

www.KitaboSunnat.com

بھی منتخب کیا گیا۔ ان کے صدر بنے کے بعد پاکستان کی سیاست میں اشتراکی الحاد پسندوں کے اثر ورسوخ بڑھنے کے امکانات بھی ہیں۔ ان کے دور میں مشرف کی سیکولرائزیشن کی پالیسی کے تسلسل کا احتمال بھی ہے۔ ان حالات میں دین پسندوں کو ناسازگار حالات کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے جس کی تیاری ابھی سے ہونی چاہئے۔ دیکھنا ہے کہ فوجی آمریت کے بعد سیکولر جمہوریت کے پاکستان کی معاشرت وسیاست پر کیا اثرات پڑتے ہیں؟

دورِ حاضر میں حکومتِ الٰہیہ (خلافت) تو ایک خواب اور ناتمام آدرش ہے ہی، یہ سلطانیٔ جمہور (جمہوریت) بھی ایک خواب سے کم نہیں ہے۔ اس ملک میں اسلام کے نام پر عوام کے استحصال کی باتیں تو بہت کی جاتی ہیں، مگر جمہوریت کے نام پر خاندانی بادشاہت کے قیام اور عوام کے بدترین استحصال کی بات کرنے کا حوصلہ کسے ہے؟

۷ ستمبر کے اخبارات اُٹھا لیجئے اور آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ ایک شخص جس کے بارے میں کل تک کیا کیا باتیں شائع نہیں ہوئی تھیں، آج ایک اعلیٰ درجہ کا مدبر اور قوم کا عظیم مسیحا بنا کر پیش کیا جارہا ہے۔ خدا کرے کہ وہ اپنے آپ کو ایسا ثابت کرسکے، مگر مرغِ بادنما جیسی صحافت کے علمبردار سب کچھ پہلے ہی ثابت کررہے ہیں۔

آج (۲۵ ستمبر کو) جب اس مضمون کی اختتامی سطور تحریر کی جارہی ہیں، حالات میں بہتری کی بجائے مزید خرابی میں تیزی آئی ہے۔ ۲۰ ستمبر کو اسلام آباد کے میریٹ ہوٹل میں پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا دھماکہ ہوا۔ بتایا جارہا ہے کہ ایک ہزار کلوگرام بارود سے بھرا ٹرک افطاری کے کچھ دیر بعد سیکورٹی کے تمام 'ریڈ الرٹس' کو توڑتے ہوئے ہوٹل کے گیٹ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس خوفناک دھماکے نے اسلام آباد شہر کو لرزا کے رکھ دیا۔ اس میں ۵۳/ افراد جاں بحق ہونے کے علاوہ اڑھائی سو سے زائد لوگ زخمی ہوئے۔ اس دھماکے سے کوئی تین گھنٹے پہلے صدر آصف زرداری نے پارلیمنٹ کے مشترکہ ایوان سے خطاب کیا تھا۔ مشیر داخلہ نے ایک دفعہ پھر ذاتی تشہیر کے لیے بیان دیا کہ اس شام سپیکر قومی اسمبلی کی طرف سے صدر، وزیراعظم اور ارکانِ پارلیمنٹ کے اعزاز میں میریٹ ہوٹل میں افطار ڈنر کا اہتمام ہونا تھا جو دہشت گردی کی اطلاع پانے کے بعد وزیراعظم ہاؤس میں منتقل کردیا گیا۔ اس بیان کو میڈیا میں سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے اور کئی سوالات اُٹھائے جارہے ہیں۔ ادھر سپیکر اسمبلی کی طرف سے بیان آیا کہ ایسا کوئی پروگرام نہ تھا۔ ۲۵ ستمبر کے 'نوائے وقت' کی شہ سرخی ہے کہ وفاقی کابینہ نے انٹیلی جنس ایجنسیوں کی ناکامی پر

www.KitaboSunnat.com

سخت برہمی کا اظہار کیا ہے اور یہ بھی بیان دیا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ جاری رہے گی۔

گذشتہ دنوں آرمی چیف جنرل پرویز اشفاق کیانی کی طرف سے پہلی مرتبہ قدرے جرأت مندانہ بیان دیا گیا کہ بیرونی افواج کو پاکستان کی سرحدوں کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دی جائے گی۔افواجِ پاکستان کے ترجمان نے بھی بیان دیا کہ پاکستان کی حدود میں داخل ہونے والے جہازوں کو نشانہ بنانے کا حکم دے دیا گیا ہے۔محبِّ وطن حلقوں کی طرف سے خیال ظاہر کیا گیا کہ ایسا بیان صدر آصف زرداری یا وزیراعظم کی طرف سے آنا چاہیے تھا۔بعد میں وزیراعظم نے اگرچہ بیان دیا کہ حکومت اور فوج کی پالیسی ایک ہے،مگر اس کا وہ تاثر قائم نہ ہوسکا۔وزیر اعظم نے تو یہ بیان دے کر قوم کے حوصلوں پر پانی پھیر دیا کہ ہم امریکہ کے ساتھ نہیں لڑ سکتے۔

۹ ستمبر کو صدارتی حلف لینے کے فوراً بعد صدر آصف زرداری نے بیان دیا کہ وہ اپنا پہلا دورہ چین کا کریں گے مگر اس کے دو تین دن بعد ہی وہ برطانیہ چلے گئے، وہاں برطانوی وزیراعظم گورڈن براؤن سے ملاقات کی اور امریکی حملوں کے خلاف ان کی حمایت لینے کی کاوش کی جس میں اُنہیں کامیابی نہیں ملی۔۲۳ ستمبر کو اُنہوں نے نیویارک میں امریکی صدر جارج بش سے غیر رسمی ملاقات کی۔اس ملاقات میں اُنہوں نے امریکی صدر سے پاکستان کی خودمختاری کے احترام کی دوبارہ درخواست کی۔صدر بش کا بیان آیا کہ امریکہ پاکستان کی خودمختاری کا خیال رکھے گا، مگر اس 'خیال' کی عملی تعبیر کے طور پر اسی دن امریکی طیاروں نے ایک مرتبہ پھر پاکستان کی حدود میں پروازیں کیں اور میزائل برسائے۔امریکیوں کی نفسیات عالمی غنڈہ گردوں کی نفسیات ہے، وہ نہ تو اقوامِ متحدہ کے کسی قانون کو اہمیت دیتے ہیں اور نہ ہی کسی ملک کی خودمختاری کی اُنہیں پرواہ ہے۔گذشتہ دنوں جس وقت امریکی افواج کا چیف ایڈمرل مائیکل مولن اسلام آباد میں وزیراعظم یوسف رضا گیلانی سے ملاقات کر رہا تھا،عین اسی وقت میڈیا پر اطلاع دی جا رہی تھی کہ امریکی جہازوں نے وزیرستان میں بمباری کر کے ۲۰ سے زیادہ معصوم عورتوں اور بچوں کو شہید کر دیا ہے۔

آج یعنی ۲۵ ستمبر کے اخبارات میں امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس سے ایک دفعہ پھر متنبہ کیا ہے کہ ''پاکستان پر لازم ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں نئی امریکی پالیسی کا ساتھ دے۔''ادھر نیویارک میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے افغان صدر کرزئی نے بیان دیا ہے کہ پاکستانی قبائلی علاقوں میں مقیم انتہا پسند،افغانستان کو غیر مستحکم کر رہے

www.KitaboSunnat.com

ہیں، دہشت گردی کے خلاف جنگ ان کے ٹھکانوں تک پھیلائی جائے۔''

◉ حالات بے حد پریشان کن ہیں۔ پاکستانی عوام توقع کر رہے تھے کہ جنرل مشرف کے جانے کے بعد امریکہ سے تعاون کی پالیسی پر نظر ثانی کی جائے گی، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نئی حکومت نے اس تعاون کو مزید بڑھانے کی ہی یقین دہانی کرائی ہے۔ باجوڑ میں شروع کیا جانے والا افسوس ناک آپریشن ابھی تک جاری ہے۔ وہاں کے لاکھوں بے گھر افراد نے ماہِ رمضان مہاجرت کے مصائب سے گذرتے ہوئے گذارا ہے۔ ابھی تک لوگ نقل مکانی کر رہے ہیں۔ سوات میں بھی حالات خراب ہیں۔ بار بار معاہدے کے اعلان کے باوجود نہ آپریشن ختم کیا گیا، نہ نام نہاد طالبان کی طرف سے خودکش حملوں کا سلسلہ بند کیا گیا ہے۔ یہ ایک برائی کا چکر ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔

◉ وزیراعظم گیلانی صاحب فرماتے ہیں کہ پاکستان امریکہ سے نہیں لڑسکتا۔ ہمارا خیال ہے کہ امریکیوں سے جنگ لڑنے کی شاید ضرورت ہی پیش نہ آئے، اگر پاکستان صرف دو باتوں کا اعلان کر دے۔ اوّل یہ کہ امریکہ کو اب تک دی جانے والی لاجسٹک سپورٹ واپس لے لی جائے۔ اس اعلان کے بعد کراچی سے انڈس ہائی وے سے گذر کر افغانستان جانے والے روزانہ چار سو سے زیادہ ٹرک روک لیے جائیں تو پھر امریکی افواج سخت مشکلات سے دوچار ہوں گی کیونکہ ان کے پاس فی الحال کوئی متبادل انتظام نہیں ہے۔ ثانیاً، حکومتِ پاکستان یہ اعلان کر دے کہ قبائلی علاقوں میں تعینات پاکستانی فوج کے ایک لاکھ ۲۰ ہزار جوان واپس بلائے جائیں گے۔ ۲۵ ستمبر کے اخبار میں امریکی فوج کے جنرل جیمز کارٹ کا بیان شائع ہوا ہے جو اس نے امریکی سینٹ کمیٹی کو بریفنگ دیتے ہوئے دیا ''پاکستان کی لاجسٹک سپورٹ کے بغیر افغانستان میں موجودگی ایک چیلنج ہوگی۔'' مزید یہ کہ ''امریکہ نے افغانستان میں فوج کو سپلائی کے لیے متبادل روٹ کی تلاش شروع کر دی۔'' (روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور)

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ اس امکان کے تصور ہی سے وحشت زدہ ہوگیا ہے کہ پاکستان اس کی افواج کو سپلائی بند کرنے کی سہولت واپس لے سکتا ہے۔ برطانوی وزیر انصاف جیک سٹرا چند روز پہلے پاکستان کے دورہ پر آئے تھے، ان کا یہ بیان بھی توجہ طلب ہے

''پاکستان اتحادی ممالک کی مجبوری تو ہوسکتا ہے، اتحادی ممالک پاکستان کی مجبوری نہیں۔ اگر آج پاکستان ان احباب کو ہر قسم کی اِمداد فراہم کرنے سے صاف انکار بھی کر دے تو آپ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔'' (نوائے وقت)

www.KitaboSunnat.com

◉ اس وقت پاکستان کو ایک این آر او صدر کی بجائے ایک جرأت مند حکمران کی ضرورت ہے جو امریکیوں کی ان کمزوریوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے مملکتِ پاکستان کی خودمختاری اور پاکستانی عوام کی عزتِ نفس کا تحفظ کر سکے۔ ہمیں آج ایسے حکمرانوں کی ضرورت ہے جو امریکہ کے متعلق خوف کی نفسیات سے باہر نکل کر غیرت وحمیت کے جذبات سے سرشار ہو کر وطن عزیز کی پالیسیاں مرتب کریں۔ ہم جب تک امریکہ کی غلامی سے نجات حاصل نہیں کریں گے اقوامِ عالم میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہیں ہوسکیں گے۔ یہ پاکستانی قوم کی بدقسمتی ہے کہ ہر آنے والا حکمران اسے امریکی غلامی میں مزید پختہ کرنے کی تدبیریں کرنا شروع ہوجاتا ہے تاکہ اس کا شخصی اقتدار قائم رکھا جاسکے۔ خوش آئند پہلو یہ ہے کہ قوم اس خوئے غلامی سے بیزار نظر آتی ہے۔

◉ وائے افسوس! شبِ دیجور کے چھٹنے کے بعد سپیدۂ سحر طلوع نہ ہوا۔ جو لوگ پرویز مشرف کے منظر سے غائب ہونے کو 'زہق الباطل' قرار دے کر بلیوں اچھل رہے تھے، وہ آصف علی زرداری کے منصبِ صدارت پر فائز ہونے کو 'جاء الباطل' سمجھتے اور اندیشہ ہائے دور و دراز میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔ باطل کے جانے کے بعد 'جاء الحق' کا مژدۂ جانفزا ان کے لئے اب ایک حیرتِ ناتمام کے سوا کچھ نہیں۔ وہ سوچ سوچ کر اعصابی اختلال کا شکار ہو رہے ہیں کہ یا خدا! یہ کوئی سکینڈے نیویا کا ملک ہے جہاں کی شبِ تاریک نہایت طویل ہوگئی ہے؟ وہاں بس یہ ہوتا ہے کہ ہر بارہ گھنٹے کے بعد گھٹا ٹوپ اندھیرے کی جگہ ملگجی اندھیرے لے لیتے ہیں، سورج طلوع نہیں ہوتا، دن کا اُجالا دیکھنے کو نہیں ملتا..... یہ کوئی اندھیروں کے نہ ختم ہونے والا پھیر ہے؟ سکینڈے نیویا کے لوگ تو پھر بھی خوش نصیب ہیں کہ چھ ماہ کے بعد وہاں دن 'طلوع' ہوجاتا ہے؛ مگر اہل پاکستان؟..... ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کی صبح دل پذیر کو 'آفتابِ حق' کا ظہور سمجھ کر بیدار ہوئے تھے۔ اُنہیں یقین تھا کہ زھق الباطل ہوگیا اور جاء الحق کی نوید پوری ہوئی۔ مگر وائے حسرت! کہ رہبروں کے بعد رہزنوں نے اُجالوں کے چمن کو لوٹ لیا۔ شاید ان کے مقدر کا اَبر کرم پھر برسے اور وہ نورِ حق کے سیلاب میں ان تاریک حسرتوں کی بارآوری کا سامان پھر سے کرسکیں۔ ہم مسلمان ہیں، جاء الحق کی اُمید کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔ آج نہیں..... تو کل نورِ حق کا ظہور ضرور ہوگا۔ ان شاء اللہ!

شاید پاسباں مل جائیں کعبے کو صنم خانے سے..... شاید!! (محمد عطاء اللہ صدیقی)

www.KitaboSunnat.com

حدیث وسنت

حافظ عمران ایوب لاہوری☆

فتنۂ انکارِ حدیث کے نئے شبہات کا جائزہ

فتنہ انکارِ حدیث رسول اللہ ﷺ کی اس پیشین گوئی کا مصداق ہے جس کے مطابق ایسے لوگوں کا ظہور ہوگا جو صرف قرآنِ کریم کی اتباع کو ہی کافی وشافی سمجھیں گے۔①

چنانچہ ابتداءً دوسری صدی ہجری میں عراق میں اور بعدازاں تیرہویں صدی ہجری میں برصغیر پاک و ہند میں اس فتنہ کا ظہور ہوا۔

دوسری صدی ہجری میں اس فتنہ کے بانی خوارج اور معتزلہ تھے۔ خوارج کو تاریخ اسلام کا اوّلین فرقہ شمار کیا جاتا ہے۔② خوارج کی وجہ تسمیہ ان کا ائمۃ المسلمین اور مسلمانوں کے خلاف خروج کو حلال سمجھنا ہے۔③ اس فرقہ کا بنیادی عقیدہ ہی یہ تھا کہ صرف قرآن کی بات تسلیم کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حدِ رجم کا انکار کیا، کیونکہ اس کا ذکر قرآن میں نہیں۔ اسی بنا پر اکثر ائمہ خوارج کی تکفیر کے قائل ہیں۔ دراصل خوارج نے کچھ ایسے غلو آمیز اور انتہا پسندانہ نظریات قائم کر رکھے تھے جن کی بقا انکارِ حدیث کے بغیر ممکن ہی نہ تھی۔ اس لئے وہ صرف انہی احادیث کو قبول کرتے جو ان کے عقائد کی مؤید ہوتیں اور باقی کا انکار کر دیتے تو اس طرح انکارِ حدیث کا آغاز ہوا۔④

انکارِ حدیث کے آغاز کے سلسلے میں دوسرے جس فرقے کا نام لیا جاتا ہے وہ معتزلہ ہے۔ معتزلہ کی وجہ تسمیہ حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول ہے کہ اعتزل عنا یعنی ''وہ (واصل بن عطا)

☆ ریسرچ سکالر مجلس التحقیق الاسلامی مصنف سلسلۂ کتب: فقه الحديث

① سنن ابوداؤد (۴۶۰۵)، جامع ترمذی (۲۶۶۳)، سنن ابن ماجہ (۱۳)

② مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۳۴۹/۳

③ الخوارج از شیخ ناصر بن عبدالکریم العقل: ص ۲۸

④ ایضاً، مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۴۸/۱۳، ۴۹

www.KitaboSunnat.com

ہم سے الگ ہوگیا۔'' اس کے الگ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے مرتکبِ کبیرہ کے متعلق حضرت حسن بصریؒ کی اس رائے سے اختلاف کیا تھا جس پر مسلمانوں کا اجماع تھا۔ چنانچہ واصل اور اس کے ساتھ الگ ہونے والے 'معتزلہ' کہلائے۔[5] اُنہوں نے دراصل یونانی فلسفہ سے متاثر ہوکر عقل کو فیصلہ کن حیثیت دے رکھی تھی۔[6] لہٰذا یہ صرف وہی اسلامی احکامات تسلیم کرتے جو عقل کے تقاضوں پر پورے اُترتے۔ یوں اُنہوں نے بھی بہت سی ایسی صحیح اَحادیث کو ردّ کردیا جو ان کے عقائد ونظریات کے خلاف تھیں۔

ردِّ حدیث کے لئے اُنہوں نے دو حربے اختیار کر رکھے تھے، ایک یہ کہ حدیث کے بارے میں یہ شک دلوں میں ڈالا جائے کہ وہ فی الواقع حضور ﷺ کی ہیں بھی یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ اُصولی سوال اٹھایا جائے کہ کوئی قول یا فعل حضورؐ کا ہو بھی تو ہم اس کی اطاعت واتباع کے پابند کب ہیں؟ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ ہم تک قرآن پہنچانے کے لئے مامور کئے گئے تھے، سو اُنہوں نے وہ پہنچا دیا، اس کے بعد محمد بن عبداللہ ﷺ ویسے ہی ایک انسان تھے، جیسے ہم ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا اور کیا وہ ہمارے لئے حجت کیسے ہوسکتا ہے؟[7]

یہ فتنہ کچھ ہی عرصہ میں روبہ زوال ہوگیا، کیونکہ اس کے سدِباب کے لئے ائمہ محدثین نے پوری جستجو سے تحقیقات پیش کیں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ، امام بخاریؒ، امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ، امام غزالیؒ اور امام ابن حزمؒ جیسے جبالِ علم اس کی راہ میں حائل ہوگئے اور عقلی ونقلی دلائل کے ذریعے اس کی تردید کرکے اسے مزید پنپنے سے روک دیا۔ علاوہ ازیں سنتِ نبویؐ کے بغیر بڑی حد تک دین کا حلیہ ہی بدل جانے کے باعث اُمتِ اسلامیہ کے اجتماعی ضمیر نے بھی اس فتنہ کو قبول نہیں کیا جس بنا پر اسے دم توڑنا ہی پڑا اور پھر صدیوں تک اس کا کہیں نام ونشان بھی نظر نہ آیا۔[8]

---

⑤ اعتقاد اهل السنة شرح اصحاب الحدیث: ص ۳۷

⑥ اعتقاد أئمة الحدیث از ابوبکر اسماعیل: ص ۶

⑦ سنت کی آئینی حیثیت، از مولانا مودودیؒ: ص ۱۴

⑧ فتنة إنكار السنة از سمیر عبدالحمید ابراہیم: ص ۱۲ تا ۱۰

www.KitaboSunnat.com

تیرہویں صدی ہجری میں اس نے دوبارہ جنم لیا۔ اب اس کا مقامِ پیدائش برصغیر پاک وہند تھا۔ واضح رہے کہ دوسری صدی ہجری کی بہ نسبت اب حالات بہت مختلف تھے۔ اس وقت مسلمان فاتح تھے اور اُنہیں سیاسی غلبہ حاصل تھا اور جن فلسفوں سے اُنہیں سابقہ پیش آیا تھا، وہ مفتوح ومغلوب قوموں کا فلسفہ تھا۔ اس وجہ سے ان فلسفوں کا حملہ بہت ہلکا ثابت ہوا۔ اس کے برعکس تیرہویں صدی ہجری میں یہ حملہ ایسے وقت میں ہوا جب کہ مسلمان ہر میدان میں پٹ چکا تھا۔ اس کی سرزمین پر دشمنوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ معاشی حیثیت سے اُنہیں کچل ڈالا گیا تھا۔ ان کا نظامِ تعلیم درہم برہم ہو چکا تھا اور ان پر فاتح قوم نے اپنی تعلیم، اپنی تہذیب، اپنی زبان، اپنے قوانین اور اپنے اجتماعی، سیاسی اور معاشی اداروں کو پوری طرح مسلط کر رکھا تھا۔ ایسے حالات میں فاتحوں کے فلسفے اور سائنس نے ان کو معتزلہ کی نسبت ہزار درجہ زیادہ مرعوب کر دیا۔ اُنہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مغرب سے جو افکار ونظریات درآمد ہو رہے ہیں، وہ سراسر معقول ہیں۔ ان پر اسلام کے نقطۂ نظر سے تنقید کر کے حق و باطل کا فیصلہ کرنا محض تاریک خیالی ہے اور زمانہ کے ساتھ چلنے کی صورت بس یہی ہے کہ اسلام کو کسی نہ کسی طرح ان کے مطابق ڈھال لیا جائے۔[9]

برصغیر میں اس جدید فتنہ کے بانی اور سرخیل سرسید احمد خان تصور کئے جاتے ہیں جنہوں نے مغربی نظریات اور عقل وفلسفہ سے متاثر ہو کر نہ صرف جدید انکارِ حدیث کی داغ بیل ڈالی بلکہ اسلام کے بہت سے متفقہ مسائل کا بھی یا تو کلیۃً انکار کر دیا یا پھر ان میں من مانی تاویل کر دی جیسے معجزات کا انکار، فرشتوں کے وجود کا انکار، تجارتی سود کی حرمت کا انکار، پردہ کا انکار اور متعدد خرقِ عادت شرعی اُمور کا انکار وغیرہ۔[10] البتہ یہ بات ملحوظ رہے کہ سرسید احمد خان اَحادیث کی صحت کے منکر نہیں تھے بلکہ وہ احادیث سے استدلال بھی کرتے تھے، تاہم وہ صرف اُن احادیث کا انکار کرتے جو ان کے خود ساختہ معیار پر پوری نہ اُترتیں۔ جیسا کہ اُنہوں نے خود بھی یہ وضاحت فرمائی ہے۔[11] سرسید کے بعد مولوی عبداللہ چکڑالوی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں

---

[9] آئینہ پرویزیت، از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی: ص ۶۹

[10] درسِ ترمذی، از مفتی تقی عثمانی: ص ۲۶ [11] مقالاتِ سرسید، از محمد اسماعیل پانی پتی: ۱۷/۱۳

www.KitaboSunnat.com

نے حدیث کا کھلا انکار کیا۔[12] انہوں نے نعوذ باللہ حدیثِ نبویؐ کو لھو الحدیث قرار دیا۔[13] اور 'اہل قرآن' کے نام سے باقاعدہ ایک فرقے کی بنیاد رکھی۔[14]

عبداللہ چکڑالوی کے بعد مولوی احمد الدین امرتسری اور مولانا اسلم جیراجپوری اس فتنہ کے علم بردار بنے۔ بالآخر غلام احمد پرویز نے اس کی باگ دوڑ سنبھالی اور اسے ایک منظم مکتبِ فکر کی شکل دی اور اسے ضلالت کی انتہا تک پہنچا دیا۔[15]

ان حضرات کے علاوہ برصغیر میں تحریک انکارِ حدیث میں کسی نہ کسی طرح حصہ لینے والوں میں علامہ مشرقی، مستری محمد رمضان گوجرانوالہ، محبوب شاہ، تمنا عمادی، قمر الدین قمر، سید عمر شاہ گجراتی، خدا بخش اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق (جنہوں نے بعد میں رجوع کرلیا تھا) وغیرہ بھی شامل ہیں۔[16]

حدیث چونکہ اسلام کے بنیادی ماخذ اور قرآن کی شارح کی حیثیت رکھتی ہے اور انکارِ حدیث کی صورت میں اسلام کا وہ حلیہ ہی مسخ ہوجاتا ہے جس کی عملی تصویر نبی کریم ﷺ نے پیش کی تھی۔ اس لئے اُمت نے کلیتہً انکارِ حدیث کو کبھی بھی قبول نہیں کیا۔ لہٰذا برصغیر میں جب بھی یہ فتنہ اُٹھا تو اہل علم نے اس کی پُرزور تردید کی۔ اس موضوع پر بیسیوں کتب تالیف کیں۔ مناظرے کئے، اجتماعات منعقد کئے اور رسائل و جرائد میں بحوث ومضامین قلم بند کیے وغیرہ وغیرہ۔ نتیجۃً فتنہ انکارِ حدیث کافی حد تک انحطاط کا شکار ہوگیا اور اسے عوام میں پذیرائی نہ مل سکی۔ اور اس کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ نہ تو آج سرسید کی تفسیر کو قبولِ عام حاصل ہے اور نہ ہی فرقہ اہل قرآن کا نام ونشان باقی ہے۔

بہرحال جب منکرین حدیث نے اس قدر شدید ردّعمل دیکھا تو کلی طور پر انکارِ حدیث کی روش ترک کردی۔ بعدازاں مختلف حیلوں، بہانوں سے حدیث کو مشکوک بنانے کی کوشش شروع

---

[12] حجیتِ حدیث، از محمد اسماعیل سلفی: ص ۱۷

[13] حجیتِ حدیث اور اتباعِ رسولؐ، از ثناء اللہ امرتسری: ص ۱

[14] درسِ ترمذی، از مفتی تقی عثمانی: ص ۲۶

[15] سنت کی آئینی حیثیت، از مولانا مودودیؒ: ص ۱۶

[16] آئینہ پرویزیت، از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی: ص ۱۰۱

www.KitaboSunnat.com

ہوئی اور ایسے نئے نئے طریقوں سے ردِّ حدیث کا دروازہ کھولا گیا کہ احادیث کی تردید بھی ہوجائے اور اس کا احساس تک نہ ہو۔ چنانچہ ایک نعرہ یہ لگایا گیا کہ محدثین کا کام غیر جامع اور ناکافی ہے۔

محدثین کا کام غیر جامع اور ناکافی ہے!

اس ضمن میں قبول و ردّ حدیث کے نئے نئے اصول وضع کئے گئے جو متقدم محدثین میں سے کسی نے بھی بیان نہیں کئے تھے جیسے کہ

- جو روایت نص قرآنی کے خلاف ہو، وہ مردود ہوگی۔
- جو روایت سنتِ ثابتہ کے خلاف ہو، وہ مردود ہوگی۔
- جو روایت عقل عام کے تقاضوں پر پوری نہ اُترے وہ مردود ہوگی وغیرہ وغیرہ، خواہ اس کی سند کتنی ہی صحیح ہو۔

بالفاظِ دیگر ان حضرات کے نزدیک محدثین نے تحقیق سند کے سلسلے میں تو بہت کوشش کی ہے، مگر تحقیقِ متن کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے درج بالا تحقیق متن کے اُصول وضع کرکے گویا محدثانہ کاوش کے اس نقص کی تکمیل کی کوشش کی ہے۔

محدثین اور تحقیقِ متن: یہ بات کہ محدثین نے متن کی تحقیق کو ملحوظ نہیں رکھا، کوئی عالمانہ بات نہیں، کیونکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ جب وہ صحیح حدیث کی تعریف ذکر کرتے ہیں تو اس میں سند کے ساتھ ساتھ متن کی تحقیق کے اُصول بھی شامل کرتے ہیں۔ محدثین کی ذکر کردہ صحیح حدیث کی تعریف ملاحظہ فرمائیے:

أما الحديث الصحيح فهو الحديث المُسند الذي يتصل إسناده بنقل العدل الضابط إلى منتهاه ولا يكون شاذًا ولا معللًا[14]

''صحیح حدیث وہ ہے جس کی سند متصل ہو، اسے نقل کرنے والے عادل وضابط ہوں اور وہ روایت شاذ ومعلول نہ ہو۔''

اس تعریف میں صحتِ حدیث کے لئے محدثین نے جن پانچ شرائط کا ذکر کیا ہے، ان

---

[14] مقدمة ابن الصلاح :ص۷

www.KitaboSunnat.com

میں سے پہلی تینوں کا تعلق تو سند کے ساتھ ہے (لیکن یہ یاد رہے کہ چونکہ مقصود متن ہوتا ہے اور سند محض اس تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہی ہوتی ہے، لہٰذا یہ شرائط بھی نتیجۃً تحقیق متن پر ہی منتج ہوتی ہیں) تاہم آخری دونوں شرائط کا تعلق براہِ راست متن کے ساتھ ہے۔

چنانچہ امام سخاویؒ 'شاذ' حدیث کی تعریف میں رقم طراز ہیں کہ

ما يخالف الراوي الثقة فيه بالزيادة أو النقص في السند أو في المتن الملأ أي الجماعة الثقات من الناس بحيث لا يمكن الجمع بينهما[18]

''شاذ روایت وہ ہوتی ہے جس میں ایک ثقہ راوی الفاظِ حدیث کی کمی یا زیادتی میں ثقہ راویوں کی ایک جماعت کی مخالفت کرے جبکہ دونوں میں جمع وتوفیق بھی ممکن نہ ہو۔ یہ مخالفت بعض اوقات سند میں اور بعض اوقات متن میں ہوتی ہے۔''

'معلول' روایت کی تعریف میں امام حاکمؒ ذکر فرماتے ہیں کہ

فإن المعلول ما يوقف على علته أنه دخل حديثًا في حديث أو وهم فيه راو أو أرسله واحد فوصله واهم[19]

''معلول روایت وہ ہوتی ہے جس کی علت کے بارے میں یہ معلوم ہوجائے کہ اس میں راوی نے ایک حدیث کو دوسری حدیث میں داخل کردیا ہے یا اس میں راوی کو وہم ہوگیا ہے یا ایک راوی نے اسے مرسل بیان کیا ہے جبکہ وہم میں مبتلا ہونے والا اسے موصول بیان کررہا ہے۔''

ان تعریفات سے معلوم ہوا کہ صحیح حدیث کی تعریف میں محدثین نے جو آخری دو شرائط (عدمِ علت وعدمِ شذوذ) ذکر کی ہیں ان کا تعلق متن کے ساتھ ہے، اگرچہ بعض اوقات ان کا تعلق سند کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ تحقیق حدیث کے حوالے سے محدثین نے سند ومتن دونوں کو اہمیت دی ہے اور دونوں کے جامع اُصول مرتب فرمائے ہیں جو بعد کے تمام اَدوار کے لئے یقیناً کافی شافی ہیں۔ باوجود اس کے کہ محدثین کی ایک جماعت اِنہی اصولوں کو کافی خیال کرتے ہوئے ان پر کاربند رہی ہے اور کچھ تجدد پسند حضرات نے محدثانہ تحقیق متن کے اُصولوں پر مزید چند اصولوں کا اضافہ کرکے ائمہ سلف سے انحراف کی راہ اختیار کی ہے۔

---

[18] فتح المغیث: ص۱۹۶ [19] معرفۃ علوم الحدیث: ص۱۱۹

www.KitaboSunnat.com

متجددین کے اُصولوں کی حقیقت

ہر چند کہ یہ لوگ اپنے اُصولوں کی تائید میں ائمہ محدثین کے ہی مختلف اقوال نقل کرتے ہیں، لیکن دراصل یہ ائمہ محدثین کی عبارتوں اور موقف کا استحصال ہے۔ کیونکہ ان عبارتوں سے محدثین کی مراد اور ہے جبکہ متجددین کی مراد بالکل مختلف ہے۔ دونوں کے ہاں مختلف علامتوں اور امراض کی حیثیت اور مقام و مرتبہ مختلف ہے۔ چنانچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان اقوال کی حیثیت محدثانہ اُصولوں سے ٹکراؤ یا ان کے نقص کی تکمیل کی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ محدثین نے جو اَقوال وضع حدیث کی علامات کے بطور بیان کئے تھے، ان متجدد حضرات نے انہیں اُصولی حیثیت دے دی ہے اور انہی کو بنیاد بنا کر متفقہ طور پر صحیح سند احادیث کو بھی ردّ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس نوعیت کے چند اقوالِ محدثین پیش خدمت ہیں:

① خطیب بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ

ولا يقبل خبر الواحد في منافاة حكم العقل وحكم القرآن الثابت المحكم والسنة المعلومة والفعل الجاري مجرٰى السنة وكل دليل مقطوع به [20]

''جب خبر واحد عقل کے فیصلے، قرآن کے ثابت اور محکم حکم، سنتِ معلومہ، سنت کی طرح جاری عمل یا دلیل قطعی کے خلاف آجائے تو وہ غیر مقبول ہوگی۔''

② امام ابن جوزیؒ نے فرمایا ہے کہ

كل حديث رأيته يخالف المعقول أو يناقض الأصول فاعلم أنه موضوع [21]

''ہر وہ حدیث جسے آپ عقل یا اُصول کے خلاف پائیں تو یہ جان لیں کہ وہ موضوع ہے''

③ امام ابن قیمؒ الجوزیہ نے نقل فرمایا ہے کہ

كل حديث يشتمل على فساد أو ظلم أو عبث أو مدح باطل أو ذم حق أو نحو ذلك فرسول الله ﷺ منه بريء. [22]

---

[20] الكفاية في علم الرواية از خطیب بغدادی: ص ۴۳۲

[21] الموضوعات از ابن جوزی: ۱۰۶/۱ [22] المنار المنيف از ابن قیم: ص ۶۵

www.KitaboSunnat.com

''ہر وہ حدیث جو فساد، ظلم، بے مقصد اشیا، باطل کی مدح، حق کی خدمت یا اس جیسی کسی چیز پر مشتمل ہو تو رسول اللہ ﷺ اس سے بری ہیں۔''

یہ اور ان جیسے دیگر اقوالِ محدثین محض معرفت وضع الحدیث اور وضع حدیث کے قرائن وآثار کے قبیل سے بیان ہوئے ہیں۔ ان سے مقصود یہ ہرگز نہیں کہ کوئی روایت کب موضوع یا ضعیف ہوتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ محدثین جب بھی موضوع حدیث کی تعریف کرتے ہیں تو یہی بیان کرتے ہیں کہ ایسی احادیث جس میں کوئی واضع یا کاذب راوی پایا جائے، 'موضوع' کہلاتی ہے۔(۴۳)

حقیقت یہ ہے کہ محدثین کرام نے حدیث میں صحت وضعف کی جانچ پرکھ کے لئے واضح اصولوں کے ساتھ بعض علامتیں اور امکانات کا تذکرہ بھی کیا ہے، جنہیں حدیث کا طالب علم ملحوظ رکھ کر ضعیف حدیث کی پہچان کرسکتا ہے۔ چنانچہ محدثین نے ایک عمومی جائزے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ضعیف اور موضوع روایات کے مردود ہونے کی بنیاد اگرچہ ضعیف اور کاذب راوی ہی ہوتا ہے مگر ایسی تمام روایات کے متون میں بھی کچھ علامات پائی جاتی ہیں جن سے وضع حدیث کا اشارہ مل جاتا ہے۔ لہٰذا اُنہوں نے ان علامات کو بھی ذکر کرنا شروع کردیا۔ یہی باعث ہے کہ اُنہوں نے یہ علامات قبول و رد حدیث کے قواعدِ کلیہ کے طور پر نہیں بلکہ وضع حدیث کی معرفت کے طور پر ذکر کی ہیں۔ جیسا کہ علامہ جمال الدین قاسمیؒ معرفة الوضع والحامل عليه کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں کہ

"ذكر المحدثون أمورًا كلية يعرف بها كون الحديث موضوعا...... "(۴۴)

امام سخاویؒ نے حافظ عراقی کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے کہ

"يعرف الوضع بالإقرار وما نزل منزلته وربما يعرف بالركة......" (۴۵)

اسی طرح حافظ ابن صلاحؒ نے فرمایا ہے کہ

"وقد يفهمون الوضع من قرينة حال الراوي أو المروي...... "(۴۶)

درج بالا عبارتیں اس بات کی توضیح کے لئے یقیناً کافی ہیں کہ ائمہ محدثین کے جو اَقوال

(۴۳) تیسیر مصطلح الحدیث: ص۶۲
(۴۴) قواعد التحدیث از جمال الدین قاسمی: ص۱۱
(۴۵) فتح المغیث: ص۲۶۹
(۴۶) مقدمة ابن الصلاح: ص۸۹

www.KitaboSunnat.com

عصر حاضر کے تجدد پسند حضرات قبول و ردّ حدیث کے نئے نئے اُصولوں کے طور پر پیش کررہے ہیں ان کی حیثیت محض علامات اور آ ثار و قرائن کی یہی ہے۔

جدید اُصولوں کی بنیاد 'ضعیف روایات'

ان متجددین نے سابقہ اَوراق میں ذکر کردہ چند اقوال محدثین کے علاوہ جن روایات پر اپنے افکار و نظریات کی بنیاد رکھی ہے، ان میں سے اکثر ضعیف اور من گھڑت ہیں۔ چند ایک ملاحظہ فرمایئے۔ یہ فرمان نبوی عموماً بیان کیا جاتا ہے کہ

١ «سيأتيكم عني أحاديث مختلفة فما جاء كم موافقًا لكتاب الله وسنتي فهو مني وما جاء كم مخالفًا لكتاب الله وسنتي فليس مني»[٢٧]

''عنقریب تمہارے پاس میری طرف منسوب مختلف احادیث آئیں گی تو جو کتاب اللہ اور میری سنت کے موافق ہو، وہ تو میری طرف سے ہے اور جو کتاب اللہ اور میری سنت کے مخالف ہو وہ میری طرف سے نہیں۔''

اس روایت کو امام ابن عدیؒ، امام دارقطنیؒ، امام شافعیؒ، امام عجلونیؒ، امام خطابیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، امام شوکانیؒ اور شیخ البانیؒ نے سخت ضعیف اور من گھڑت قرار دیا ہے۔[٢٨]

٢ «ما حدثتم عني مما تعرفونه فخذوه وما حدثتم عني مما تنكرونه فلا تأخذوا به»[٢٩]

''اگر تمہیں میری طرف منسوب کرکے کوئی ایسی روایت بیان کی جائے جو اس معروف کے مطابق ہو جس سے تم آشنا ہو تو اسے قبول کرلو اور اگر کوئی ایسی روایت بیان کی جائے جسے تم منکر سمجھو، تو اسے قبول نہ کرو۔''

اس روایت کو امام ابن عدیؒ، امام ذہبیؒ، امام ابن رجبؒ، امام ابوحاتم رازیؒ اور شیخ البانیؒ

---

[٢٧] الكفاية في علم الرواية: ص٤٣٠

[٢٨] بالترتیب حوالہ جات: الكامل: ١٠٦/٥، سنن الدار قطني: ٤٥٠/٣، الرسالة: ص٢٢٤، كشف الخفاء: ٨٦/١، معالم السنن: ٩/٧، لسان الميزان: ٤٥٥/١، الفوائد المجموعة: ص٢١١، السلسلة الضعيفة (١٠٦٩)

[٢٩] الكفاية في علم الرواية: ص٤٣٠

www.KitaboSunnat.com

نے 'منکر' اور بہت زیادہ 'ضعیف' قرار دیا ہے۔[30]

❸ «إنها تكون بعدي رواة يرون عني الحديث فأعرضوا حديثهم على القرآن»[31]

''میرے بعد کچھ ایسے رواۃ ہوں گے جو میری طرف منسوب کرکے حدیث بیان کریں گے تو تم ان کی حدیث قرآن پر پیش کرنا۔''

امام دارقطنیؒ، امام ابن حزمؒ اور شیخ البانیؒ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔[32]

سند سے قطع نظر متن کی تحقیق

تحقیق حدیث کے سلسلے میں محدثین کے ہاں اصل بنیاد سند ہی ہے۔ اس وجہ سے ان کے نزدیک سند کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ امام ابن مبارکؒ کا قول معروف ہے کہ

الإسناد من الدين ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء[33]

''اسناد دین کا حصہ ہے۔ اگر اسناد نہ ہوتی تو کوئی جو چاہتا، کہتا پھرتا۔''

امام سفیان ثوریؒ نے فرمایا ہے کہ

الإسناد سلاح المومن فإذا لم يكن معه سلاح فبأي شيء يقاتل[34]

''اسناد مومن کا ہتھیار ہے، اگر اس کے پاس ہتھیار ہی نہ ہو تو وہ کس چیز کے ساتھ جنگ کرے گا۔''

اسی طرح امام شافعیؒ کا قول بھی نہایت اہم ہے کہ

مثل الذين يطلب الحديث بلا إسناد كمثل حاطب ليل يعمل حزمة حطب وفيه أفعٰى وهو لا يدري[35]

''بلا سند حدیث طلب کرنے والے کی مثال رات کو لکڑیاں چننے والے اس شخص کی طرح جو لکڑیوں کی گٹھڑی اُٹھاتا ہے، لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس میں ایک سانپ بھی چھپا ہوا ہے۔''

---

[30] بالترتیب حوالہ جات: الکامل: ۳۳۸/۴، سیر اعلام النبلاء: ۵۲۴/۹، جامع العلوم والحکم: ۱۰۵/۲، العلل: ۳۱۰/۲، الضعیفة (۱۰۹۰)

[31] دارقطنی (۲۰۸/۴)

[32] بالترتیب حوالہ جات: سنن دارقطنی: ۲۰۸/۴، ۲۰۹، الإحکام از ابن حزم: ۷۶/۲)، الضعیفہ (۱۰۸۷)

[33] مقدمہ صحیح مسلم: ص ۸۷

[34] فتح المغیث: ص ۳۳۵

[35] المدخل از امام حاکم: ص ۲

www.KitaboSunnat.com

سند کی اسی اہمیت کا نتیجہ ہے کہ محدثین کے نزدیک تحقیق حدیث کی اساسی شرائط تین ہی ہیں: ''عدل، ضبط اور اتصالِ سند''[36]

اور اُنہوں نے جن دو شرائط (شذوذ وعلت) کا ذکر تحقیق متن کے حوالے سے کیا ہے، وہ بھی انتہائے تحقیق کے اعتبار سے درحقیقت سند اور رواۃ کی طرف ہی راجع ہوتی ہیں کیونکہ شذوذ مخالفتِ ثقات اور علتِ وہم الراوی کا نام ہے۔ لہٰذا شذوذ وعلت دونوں کا تعلق رواۃ کے ساتھ ہوا اور یہ معلوم ہے کہ رواۃ کا تعلق سند کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں اس موقف کی مؤید یہ بات بھی ہے کہ یہ دونوں شرائط اُن تینوں شرائط میں ہی شامل ہیں جو محدثین نے تحقیق سند کے حوالے سے ذکر فرمائی ہیں (یعنی عدل، ضبط اور اتصالِ سند) یہی باعث ہے کہ محدثین ضبط وجرح کرنے والے اُمور میں کثرتِ اوہام اور شذوذ کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔[37] البتہ محدثین نے علت وشذوذ کو جو الگ سے ذکر کیا ہے تو اس سے مقصود سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ تحقیقِ متن سے متعلقہ اُمور پر قدرے بہتر انداز میں توجہ دی جا سکے۔ معلوم ہوا کہ محدثین کے نزدیک تحقیق حدیث کی اصل بنیاد سند ہی ہے۔ لہٰذا اب اگر کوئی سند سے قطع نظر متن کی تحقیق کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرتا ہے تو یقیناً وہ اس محدثانہ طریق سے بدظنی کا مظاہرہ کررہا ہے جس سے بدظنی کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ذریعے ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى﴾[38] گمراہی کی بنیاد قرار دیا ہے۔

محدثین اور عقلی تقاضے

یہاں یہ وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ سند کو اہمیت دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ محدثین نے تحقیق حدیث کے دوران عقل کو ملحوظ ہی نہیں رکھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُنہوں نے عقل کو بھی خصوصی اہمیت دی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کتبِ اُصول میں صحتِ حدیث کی اوّلین شرط 'عدالت' مکتوب ہے اور عدالت کے متحقق ہونے کے لئے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، ان میں سے ایک عقل بھی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ صرف اس راوی کی روایت قبول کی جائے گی جو روایت لیتے وقت غفلت، سستی اور لاپرواہی جیسے رذائل سے کنارہ کش ہوتے ہوئے مکمل عقل وفکر سے کام لینے والا ہو اور ہر حدیث کو عقل سلیم کے سانچے میں پرکھنے کے بعد ہی قبول کرے۔ علاوہ ازیں ضبطِ راوی سے بھی یہی مراد ہے کہ راوی بیدار مغز

---

[36] النکت علی ابن الصلاح لابن حجر: ۲/۶۵۳

[37] تیسیر مصطلح الحدیث: ص۱۰۹،۱۰۲

[38] النساء: آیت نمبر ۱۱۵

www.KitaboSunnat.com

ہو، سہو ونسیان اور تساہل کا شکار نہ ہو اور پورے غور وفکر اور توجہ کے ساتھ روایت سن کر اسے من وعن آگے بیان کردے۔ یہی وہ اساسی شرائط ہیں جن کی بنا پر کسی راوی کے مقبول یا غیر مقبول ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں احادیث پر صحت وسقم کا حکم لگاتے وقت بھی محدثین نے عقل کو ملحوظ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے وضع حدیث کی علامات میں یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ روایت عقل عام کے خلاف نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ

بالفاظِ دیگر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ محدثین نے چار مقامات پر بطورِ خاص عقل کو ملحوظ رکھا ہے:

① تحمل حدیث کے وقت ② ادائے حدیث کے وقت

③ رواۃ پر حکم لگاتے وقت ④ اور احادیث پر حکم لگاتے وقت

یہی بات ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے ذکر فرمائی ہے۔[۳۹]

یہاں یہ بات واضح رہے کہ عقل کو ملحوظ رکھنے کا مطلب محض یہی ہے کہ جو اوپر بیان کردیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ محدثین نے عقل کو ہی قرآن وسنت پر حاکم بنایا ہوا تھا۔ اور صرف وہی روایت قبول کرتے جو اپنی ذاتی عقل کے مطابق ہوتی (جیسا کہ آج کل کے متجددین کا نظریہ ہے) بلکہ فی الواقع ایسا ہے کہ محدثین عقل کو ملحوظ تو رکھتے تھے مگر اسے قرآن وسنت کے تابع رکھ کر استعمال کرتے تھے، ان کے ہاں عقل کو حاکمیت حاصل نہیں البتہ شریعت کے احکام کو سمجھنے میں وہ عقل کو بھرپور طریقے سے استعمال کرتے تھے۔

خلاصہ کلام : انکارِ حدیث کا آغاز اگرچہ دوسری صدی ہجری سے ہی ہوگیا تھا، لیکن اس فتنہ نے پوری آب وتاب اور سحر آفرینی کے ساتھ جس دور میں عوام الناس کو متاثر کیا، وہ تیرہویں صدی ہجری کا دور ہے کیونکہ اس میں برصغیر پر مغربی تسلط کے باعث یہاں اس فتنہ کے پنپنے کے محرکات دوسری صدی ہجری کی بہ نسبت کہیں زیادہ تھے۔ بہرحال ہر دور کی طرح اس دور میں بھی اسے علماے حق کی طرف سے شدید ردعمل کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجے میں کلیۃً انکارِ حدیث کی روش ایک حد تک ختم ہوگئی، بعدازاں اس فتنہ نے ایک نئے روپ میں رونما ہوکر لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کیا۔ جس کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی کہ محدثین کا کام ناکافی ہے اور اُنہوں نے تحقیق سند کے حوالے سے تو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں مگر تحقیق متن پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ اس بنیاد پر تحقیق حدیث کے بہت سے ایسے جدید اُصول وضع کئے گئے جو متقدمین میں سے کسی نے بھی بیان نہیں کئے تھے۔ اور اگر اس ضمن میں کچھ بیان بھی کیا تھا کہ اس کا مقصد کچھ اور تھا جیسے خلافِ قرآن، خلافِ سنت یا عقلِ عام کے خلاف

---

[۳۹] منهج النقد عند المحدثين: ص۸۳

www.KitaboSunnat.com

تمام روایات ردّ کردی جائیں گی خواہ ان کی سند کتنی ہی صحیح ہو۔ ان اُصولوں کی ایجاد کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی متفقہ صحیح احادیث کو بھی ہدفِ تنقید بنا لیا گیا جیسے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی بعض احادیث وغیرہ حالانکہ ان کی صحت پر جمہور محدثین کا اتفاق تھا۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ محدثین نے تحقیق سند کے ساتھ ساتھ تحقیق متن پر بھی پھر پور توجہ دی ہے جیسا کہ صحیح حدیث کی تعریف میں علت وشذوذ کا ذکر اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کیونکہ ان دونوں شرائط کا تعلق براہِ راست متن کے ساتھ ہے۔

علاوہ ازیں ان متجددین حضرات نے جن روایات کو تحقیق متن کے جدید اُصولوں کی بنیاد بنایا ہے، ان میں سے اکثر ضعیف اور من گھڑت ہیں اور جن اقوالِ محدثین کو تائید میں پیش کیا ہے، ان کی حیثیت قبول وردّ حدیث کے سلسلے میں قواعدِ کلیہ کی نہیں بلکہ محض علامات اور آثار و قرائن کی ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ محدثین کبھی بھی موضوع روایت کی تعریف میں یہ بات ذکر نہیں فرماتے کہ جو روایت قرآن وسنت یا عقل کے خلاف ہوگی وہ موضوع ہے بلکہ وہ ہمیشہ یہی ذکر کرتے ہیں کہ ہمیں روایت کی سند میں کوئی کاذب یا واضع راوی پایا جائے، وہ موضوع ہے۔ بالفاظِ دیگر محدثین کے ہاں تحقیق حدیث کی اصل بنیاد سند ہی ہے اور تحقیق متن کے سلسلے میں جو اُنہوں نے علت وشذوذ کا ذکر کیا ہے، نتیجے کے اعتبار سے ان کا تعلق بھی سند کے ساتھ ہی ہے، کیونکہ علت وہم الراوی اور شذوذ مخالفتِ ثقات کا نام ہے اور یہ دونوں چیزیں رواۃِ سند سے ہی متعلقہ ہیں۔

یہاں اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ محدثین نے جو تحقیق حدیث کے سلسلے میں سند کو ہی بنیاد بنایا ہے تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ اُنہوں نے اس سلسلے میں عقلی تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض محض علم حدیث سے عدمِ واقفیت کا نتیجہ ہے ورنہ محدثین نے روایات کو پرکھنے کے لئے عقل کو بھی ملحوظ رکھا ہے جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ محدثین نے صحیح حدیث کی جو اوّلین شرط 'عدالت' بیان کی ہے، اس کے متحقق ہونے کی ایک شرط عقل بھی ہے۔ نیز دوسری شرط 'ضبط' کا تعلق بھی عقل وفہم اور غور وفکر کے ساتھ ہی ہے۔ لہٰذا فی الواقع ایسا ہے کہ محدثین کا کام جامع ہے اور کسی بھی حدیث کو پرکھنے کے لئے کافی ہے۔ اس لئے ہمیشہ اس کو پیش نظر رکھنا ہی راہِ صواب ہے اور ان ائمہ محدثین کے طریق سے انحراف قرآنی آیت ﴿غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ کے مصداق گمراہی میں مبتلا ہونے کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں راہِ ضلالت سے بچائے اور راہِ صواب پر چلائے۔ آمین!

www.KitaboSunnat.com

فقہ واجتہاد

شیخ سائد بکداش
ترجمہ: حافظ محمد مصطفیٰ راسخ

کیا والد بیٹے کا مال لے سکتا ہے؟

اقوالِ فقہا اور ان کے دلائل کا تجزیہ وتبصرہ

دوسرے قول (مطلقاً جواز) کے دلائل کا جائزہ

❶ سورۃ النور کی اس آیت: ﴿وَلَا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ...﴾ (النور:٦١) سے یہ استدلال کرنا کہ ''اللہ تعالیٰ نے یہاں اولاد کے گھروں کا تذکرہ نہیں کیا جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ گھر باپ دادا کے ہیں۔'' کا جواب امام قرطبیؒ کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

''اس آیتِ کریمہ سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ تم اپنے گھروں سے بھی کھا سکتے ہو جن گھروں میں تمہارے اہل اور اولاد رہتے ہیں، پس وہ گھر اہل اور اولاد کے ہیں۔''

(الجامع لاحکام القرآن:۱۲/۳۱۴)

ابھی تک ہم دیکھتے ہیں کہ بیٹے اپنے والدین کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہائش پذیر ہیں جو ان کے باپ کا گھر ہے تو یہاں اس آیتِ کریمہ میں تغلیباً باپ دادا کے گھروں کو ذکر کیا گیا ہے، جو اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ باپ اپنے بیٹے کے مال کا مالک ہے۔ واللہ اعلم!

امام قرطبیؒ نحاسؒ وغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ میں اولاد کے گھروں کا تذکرہ نہ ہونے کی علت سے ان گھروں کو باپ دادا کی ملکیت بنا دینا کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ ہے۔ (ایضاً:۱۲/۳۱۲)

اس آیتِ کریمہ سے استدلال کرنے والوں کو جواب یوں بھی دیا جاسکتا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے جیسا کہ امام قرطبیؒ وغیرہ سے منقول ہے۔ (ایضاً)

❷ قرآنِ مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ میں اولاد کو والدین کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف

www.KitaboSunnat.com

سے عطا کردہ ہبہ قرار دیا گیا ہے، لہٰذا باپ کے لئے جائز ہے کہ وہ غلام کی مانند اپنے بیٹے کے مال پر قبضہ کرسکتا ہے۔ ان آیاتِ کریمہ سے ایسا موقف ثابت کرنے والوں کے استدلال کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ ان آیات میں ہبہ سے مراد بڑھاپے میں وِلادت کا ہبہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا زکریاؑ پر احسان کیا، ملکیت اور غلامی کا ہبہ نہیں جیسا کہ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُوْرَ﴾ (الشوریٰ:۴۹) ''وہ جسے چاہتا ہے، لڑکیاں دیتا اور جسے چاہتا ہے، لڑکے دیتا ہے۔''

اس آیتِ کریمہ میں بھی ولادت کا ہبہ مراد ہے، اگرچہ بڑھاپا نہ بھی ہو، کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاءُ عَقِيْمًا﴾ (الشوریٰ:۵۰)

''اور جسے چاہتا ہے، بانجھ بنا دیتا ہے۔''

❸ ان کی مضبوط ترین دلیل حدیثِ نبویؐ «أنت و مالك لأبيك» کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں:

ا) بعض نے اس حدیث کے معنی کی توجیہ کرتے ہوئے اس کی ایسی تفسیر کی ہے کہ اس حدیثِ نبوی اور اس مسئلہ کہ ''باپ بلا ضرورت اپنے بیٹے کے مال کو اپنی ملکیت نہیں بنا سکتا'' کے دلائل کے درمیان جمع وتطبیق ممکن ہو سکے۔

ب) بعض نے اس حدیث کو منسوخ کہا ہے۔

ج) بعض نے اس حدیث کے عموم کو خاص کر دیا ہے۔

د) بعض نے اس حدیث کے ثبوت اور ضعف میں کلام کی ہے۔

ذیل میں ہر قول کے حاملین کا تذکرہ بالاختصار ملاحظہ فرمائیے:

أ) حدیث «أنت و مالك لأبيك» کے معنی میں ذکر کردہ توجیہات

① امام بیہقیؒ نے اپنی سند کے ساتھ منذر بن زیاد الطائی سے روایت کیا ہے کہ ہمیں اسماعیل بن ابوخالد نے خبر دی، اُنہوں نے قیس بن ابوحازمؒ سے روایت کیا ہے کہ میں امیرالمومنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پاس حاضر تھا کہ ایک آدمی نے ان سے کہا:

''یا امیرالمومنین! میرا باپ چاہتا ہے کہ میرے سارے مال پر قبضہ کرلے اور اس کو تباہ وبرباد

www.KitaboSunnat.com

کردے؟

سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اس آدمی کے والد کو کہا:

''تیرے لئے اس کے مال سے اتنا لینا جائز ہے جو تجھے کفایت کر جائے۔ اس نے کہا: یا خلیفۃ الرسول! کیا نبی کریم ﷺ نے نہیں فرمایا: «أنت ومالك لأبيك»''

تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ راضی ہو جا۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ان کے علاوہ بھی دیگر رواۃ نے منذر بن زیاد سے نقل کیا ہے اور اس میں مذکور ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اس سے نفقہ مراد لیا تھا، اور منذر بن زیاد ضعیف ہیں۔

(السنن الكبرٰى:٧/ ٤٨١ ، المعجم الأوسط للطبراني: ١/ ٤٤٨ (٨١٠) وقال لم يروه عن إسمٰعيل إلا المنذر)

② امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث «أنت ومالك لأبيك» بیٹے کی کمائی پر باپ کی ملکیت کو ظاہر نہیں کرتی بلکہ یہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ بیٹے کو چاہئے کہ وہ اپنے مال میں اپنے باپ کے حکم کو نافذ کرے، جس طرح وہ خود اپنا حکم نافذ کرتا ہے۔ اور کسی معاملہ میں اپنے باپ کی مخالفت نہ کرے۔ کیونکہ اس حدیث «أنت ومالك لأبيك» میں نبی کریم ﷺ نے بیٹے اور اس کے مال، دونوں کی نسبت باپ کی طرف کی ہے۔ نبی ﷺ کی جانب سے کی گئی نسبت کی وجہ سے جس طرح بیٹا اپنے باپ کا مملوک نہیں بنتا، اسی طرح اس کا مال بھی اس کے باپ کی ملکیت نہیں بنتا۔ (شرح معانی الآثار:۴/۱۵۸، مشکل الآثار:۴/۲۷۷)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بیٹے کی ذات کی نسبت، اس کے باپ کی طرف کی ہے، جس طرح کہ اس کے مال کی نسبت اس کے باپ کی طرف کی ہے۔ اگر بیٹے کے مال میں باپ کا تصرف جائز ہوتا تو بیٹے کی ذات میں بھی باپ کا تصرف جائز ہونا چاہئے تھا کہ وہ اس کی غلاموں کی مانند خرید وفروخت کرتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح اس نسبت سے بیٹا اپنے باپ کا مملوک نہیں بنتا، اسی طرح اس کا مال بھی باپ کی ملکیت نہیں بنتا۔

❁ امام طحاویؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جتنا فائدہ مجھے ابوبکر صدیقؓ کے مال نے دیا ہے، اتنا فائدہ کسی مال نے نہیں دیا۔''

سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے کہا: «إنما أنا ومالي لك يا رسول الله» ''اے اللہ کے

☆ اس مسئلہ پر مذاہب اربعہ کا موقف جاننے کے لئے دیکھیں: شرح السنة للبغوي: ٩/ ٣٢٩، شرح أدب القاضي للخصاف، للصدر الشهيد ٤/ ٣١٧ ـ ٣٣٣، المبسوط للسرخسي ٥/ ٢٢٢، تبيين الحقائق ٣/ ٦٤، بدائع الصنائع ٤/ ٣٠ وغيره

www.KitaboSunnat.com

رسولؐ! میں اور میرا مال آپؐ کے لئے ہیں۔'' امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی مراد یہ نہیں تھی کہ ان کا مال نبی کریم ﷺ کی ملکیت ہے بلکہ ان کی مراد تھی کہ نبی کریم ﷺ کا حکم ان کی ذات اور مال میں نافذ ہوسکتا ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کے قول: «أنت ومالك لأبيك» کو بھی اسی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ (شرح معانی الآثار:۴/۱۵۸، صحیح ابن حبان:۱۵/۲۷۳، مسند احمد:۲/۲۵۳)

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے اس قول سے ان کی مراد یہ تھی کہ یارسول اللہ ﷺ! آپؐ کے اقوال و افعال میری ذات اور میرے مال میں اسی طرح نافذ العمل ہیں جس طرح کسی شے کا مالک اپنی شے میں اپنے اقوال و افعال کو نافذ کرتا ہے۔

(شرح معانی الآثار:۴/۲۷۷)

③ امام ابن حبانؒ اس حدیث کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس آدمی کو اپنے باپ کے ساتھ اجنبیوں والا معاملہ کرنے پر ڈانٹا تھا اور اسے اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور قول و فعل میں نرمی برتنے کا حکم دیا تھا، یہاں تک کہ اس پر مال خرچ کرے۔ آپؐ نے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا: «أنت ومالك لأبيك» یعنی بیٹے کی زندگی میں اسکی رضا مندی کے بغیر باپ اسکے مال کا مالک نہیں بن سکتا۔ (صحیح ابن حبان:۲/۱۴۳)

④ امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ سائل نے نبی کریم ﷺ سے اپنے مال پر باپ کے قبضے اور اس مال کو ختم کرنے کے حوالے سے جو شکایت کی تھی، وہ مال کو ختم کرنے کی شکایت باپ پر خرچ کرنے کے سبب ہو، یعنی باپ کا نفقہ جس کا وہ محتاج ہے، زیادہ ہو جس کو اس آدمی کا مال برداشت کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہوں، اِلا یہ کہ وہ سارے کا سارا ختم ہو جائے۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ نے اس کی معذرت قبول نہ کرتے ہوئے اپنے باپ کے نفقہ سے دستبردار ہونے کی رخصت نہیں دی اور فرمایا: «أنت ومالك لأبيك» یعنی جب بھی تیرے باپ کو ضرورت ہوگی وہ بقدرِ ضرورت تیرے مال میں سے لے سکتا ہے۔ جس طرح وہ اپنے مال سے لیتا ہے اور جب تیرے پاس مال نہ ہو اور تیرے پاس ہمت ہو تو تجھ پر لازم ہے کہ تو کمائی کرکے اپنے باپ پر خرچ کر۔ اور اگر باپ کا مقصد بیٹے کے مال کو اپنے لئے حلال کرنا

www.KitaboSunnat.com

ہو اور بیٹے کو اس سے الگ تھلگ کر کے اس پر خود قبضہ کر لینا ہو تو فقہا میں سے کسی سے بھی اس کے جواز کا قول ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم (معالم السنن:۵/۱۸۳)

⑤ علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں کہ

''اس حدیث میں متعدد قرائن کی بنیاد پر حقیقی معنی مراد نہیں ہے، کیونکہ بیٹے کا مال اس کی اپنی ملکیت ہے اور اس مال کی زکوٰۃ اسی پر واجب ہے اور مرجانے کی صورت میں وہ مال اس کی وراثت ہوگا جس کو اس کے ورثا میں تقسیم کیا جائے گا۔ جب ان الفاظ کی حقیقت ہی ثابت نہیں ہوسکی تو بوقتِ ضرورت باپ کے لئے حق ملکیت کیسے ثابت ہوسکتا ہے۔'' (بدائع الصنائع:۴/۳۰)

اس حدیث میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ترغیب ہے، حقوقِ ملکیت یا تشریعی احکام کا بیان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا معاذ بن جبلؓ سے سوال کیا گیا کہ بیٹے پر والدین کا کیا حق ہے؟ تو اُنہوں نے فرمایا اگر تو اپنے اہل وعیال اور مال سے بھی نکل جائے، تب بھی ان کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۸/۳۵۶)

ب) نسخ حدیث کا قول

① امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہم پر یہ اعتراض کرے کہ آپ تو ہر صحیح حدیث کو ماننے والے ہیں، پھر اس حدیث «أنت ومالك لأبيك» کو کیوں کر ترک کر رہے ہیں؟ تو اس شخص کو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح احادیث کو ترک کرنے سے محفوظ فرمائے۔ ہم ہر صحیح حدیث پر عمل کرتے ہیں اِلا یہ کہ وہ منسوخ ہوچکی ہو اور مذکورہ حدیث «أنت ومالك لأبيك» بلا شک وشبہ آیتِ میراث سے منسوخ ہوچکی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین، خاوند، بیوی اور اولاد کی میراث کے تفصیلی احکام نازل کردیئے ہیں۔

② علامہ شیخ محمد عابد سندھی انصاریؒ مسند امام ابوحنیفہؒ کی شرح میں امام عبدالحق اشبیلی سے نقل کرتے ہیں کہ ابوبکر بزار وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث «أنت ومالك لأبيك» آیت میراث کے ساتھ منسوخ ہے۔ (المواهب اللطيفة (مخطوط) ج۲، لوحہ ۳۴۶)

ج) اس حدیث کے عموم کی تخصیص کا قول

امام ابوبکر رازی جصاصؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

www.KitaboSunnat.com

''اس حدیث کا عموم تقاضا کرتا ہے کہ باپ خوش حالی و تنگ دستی دونوں حالتوں میں بیٹے کا مال لے سکتا ہے، لیکن فقہاے کرام اس امر پر متفق ہیں کہ باپ خوشحالی کی حالت میں اپنے بیٹے کی رضا مندی کے بغیر اس کا مال نہیں لے سکتا، البتہ تنگ دستی کی حالت میں بقدرِ ضرورت لے سکتا ہے۔'' (شرح مختصر طحاوی فی الفقہ الحنفی القسم الثالث، ص۲۴۱)

د) حدیث «أنت ومالك لأبيك» کے ضعف کا قول

بعض علماے کرام نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے جن میں سے امام شافعیؒ بھی ہیں جنہوں نے نام لئے بغیر ایک جماعت سے اس کا ضعف نقل کیا ہے۔ دیکھئے (الرسالہ: ص۴۶۸)

اسی طرح امام قرطبیؒ نے اس کا ضعف نقل کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن: ۳۱۴/۱۲)

لہٰذا اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے تمام طرق کو ملا کر قوی ہوجاتی ہے اور اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ (فتح الباری ۲۱۱/۵) اور امام عینیؒ نے بھی 'عمدۃ القاری' میں اس کو صحیح کہا ہے۔ (۱۴۲/۱۳)

۴ حدیث «ولد الرجل من كسبه، فكلوا من أموالهم» کی دلیل کا جائزہ

اس حدیث سے ان کے استدلال کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ دیگر روایات نے اس کے عموم کی تخصیص کردی ہے جیسا کہ سیدہ عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إن أولادكم هبة الله لكم، يهب لمن يشاء إناثا ويهب لمن يشاء الذكور فهم وأموالهم لكم إذا احتجتم إليها» (مستدرک حاکم: ۲۸۴/۲، وصحّحه ووافقه الذهبي، سنن البيهقي من طريق الحاكم نفسها: ۴۸۱/۷)

''تمہاری اولاد تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہبہ ہے، وہ جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے..... پس وہ اولاد اور ان کے مال تمہارے لئے ہیں، جب تم اس کے محتاج ہوجاؤ۔''

"إذا احتجتم" کی زیادتی کے ساتھ اس حدیث کی تائید علامہ استروشنیؒ کی روایت کردہ دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«الأب أحق بمال ولده إذا احتاج إليه بالمعروف»

www.KitaboSunnat.com

''باپ اپنے بیٹے کے مال کا زیادہ حقدار ہے جب وہ معروف طریقے سے اس کا ضرورت مند ہو۔''(۱) (لم أقف على تخريج هذا الحديث)

④ امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث «إن أطيب ما أكل الرجل من كسب يده، وولَدُه من كسبِه» کھانے سے متعلق ہے، لہٰذا ہمارے نزدیک باپ کے لئے اپنے گھر یا بیٹے کے گھر سے جو چاہے جب چاہے، کھانا جائز ہے۔ بیع وشراء، رہن، ہبہ یا ملکیت سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ (المُحلی:۸/۱۰۸)

امام ابن حزمؒ کی اس تفسیر میں امام صنعانیؒ کی تفسیر کا جواب ہے جس میں امام صنعانیؒ نے لفظ «أكل» سے مطلقاً 'انتفاع' مراد لیا ہے۔ امام ابن حزم کی تفسیر راجح اور اولیٰ ہے، کیونکہ امام صنعانی کی تفسیر اس اُصول کے خلاف ہے کہ ہر شخص کی ملکیت کا تحفظ کیا جائے۔

⑤ ان کی دلیل ان حدیث «أطع والديك وإن أخرجاك من مالك» کا جائزہ

اس حدیث سے ان کے استدلال کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں مال کی نسبت بیٹے کی طرف کی گئی ہے، باپ کی طرف نہیں۔ کیونکہ حدیث کے الفاظ «وإن أخرجاك من مالك» ہیں، «وإن أخرجاك من مالهما» نہیں ہیں اور سیاقِ کلام سے بھی محسوس ہوتا ہے کہ والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے کے لئے یہاں مبالغہ سے حکم دیا گیا ہے۔

⑥ بعض صحابہ کرامؓ کے اقوال سے ان کے استدلال کا جائزہ

سیدنا عمرؓ، علیؓ، جابرؓ، انسؓ اور اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہؓ سے منقول آثار کی نصوص میں غوروفکر کرنے سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ باپ بقدرِ ضرورت اپنے بیٹے کے مال سے لے سکتا ہے، اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے مال سے بقدرِ ضرورت لے سکتا ہے۔ ان آثار کے اسی مفہوم کی تائید مصنف عبدالرزاق کی سیدنا عمرؓ سے نقل کردہ روایت سے بھی ہوتی ہے، عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ بکر بن عبداللہ مزنی سے روایت کرتے ہیں کہ

www.KitaboSunnat.com

''ایک دیہاتی آدمی نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا، اور اس کے حق مہر پر خود قبضہ کرلیا۔ جب باپ مرگیا تو وہ عورت اپنے بھائیوں سے حق مہر کی رقم کا مطالبہ کرنے لگی، بھائیوں نے کہا: اس کو ہمارے والد نے اپنی زندگی میں ہی اپنے قبضے میں لے لیا تھا اور عورت نے کہا: مجھے میرا حق مہر چاہئے؟ سیدنا عمرؓ نے ان کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا: جو چیز تجھے بعینہٖ مل جائے تو اس کی زیادہ حق دار ہے اور جو تیرے باپ نے خرچ کرلیا ہے، وہ تیرے باپ پر تیرے لئے قرض نہیں ہے۔'' (مصنف عبدالرزاق: ۲۲۱/۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس عورت کا حق مہر اس کی اپنی ملکیت ہے، اور اس میں سے باپ نے جو خرچ کرلیا تھا، وہ بقدرِ ضرورت تھا، اور اس کے لئے اس کے باپ پر کوئی قرضہ نہیں ہے، کیونکہ اس کے باپ نے وہ مال ضرورت کے تحت خرچ کیا تھا اور اگر اس عورت کا حق مہر اس کے باپ کے قبضہ کرلینے کے بعد باپ کی ملکیت ہوتا تو سیدنا عمرؓ اس مال کو جمیع وراثت کے ساتھ جملہ ورثا میں تقسیم کرنے کا حکم دیتے اور حق مہر میں سے باقی ماندہ اشیا کو اس عورت کی ذات کے ساتھ خاص نہ کرتے۔

پہلے قول (بلاضرورت منع) کے دلائل کا جائزہ

[یاد رہے کہ حنابلہ کا قول (تیسرا) یہ ہے کہ چند شرائط پائے جانے کی صورت میں باپ بیٹے کا مال لے سکتا ہے، جبکہ جمہور کا قول (پہلا) یہ ہے کہ بلاضرورت والد کے لئے بیٹے کا مال لینا ممنوع ہے۔ یہاں ایک قول (دوسرا) یہ بھی ہے کہ والد کے لئے ہر صورت میں، بلاکسی شرط کے لینا جائز ہے، جس کے دلائل کی تردید وتوجیہ بھی اوپر گزر چکی ہے۔ مدیر]

حنابلہ نے جمہور علما کی رائے اور ان کے دلائل کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے جمہور کی طرف سے قولِ ثانی کے دلائل میں اس امر کی تردید کی ہے کہ ضرورت کے تحت مال لینا جائز ہے۔ یعنی جمہور نے عام حرمت سے والد کی ضرورت کو خاص کردیا ہے تو حنابلہ نے اس عموم کی تخصیص پیدا کرنے کی تردید کی ہے۔ چونکہ اس سلسلہ میں سب سے تفصیلی گفتگو امام صنعانی نے کی ہے، لہٰذا مناسب ہے کہ یہاں امام صنعانی کی کلام کو کچھ تشریح ووضاحت کے ساتھ بیان کردیا جائے۔

امام صنعانیؒ اس آیتِ مبارکہ ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾

www.KitaboSunnat.com

(البقرۃ:۱۸۸) ''اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقہ سے کھاؤ۔'' کے عموم سے جمہور کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

❶ جمہور کے دلائل محل نزاع کے بارے میں نہیں ہیں (یعنی ایسے مسئلہ سے متعلق ہیں جن میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیٹے کے مال کو باپ کا مال قرار دیا ہے لہٰذا باپ، غیر کا مال نہیں کھاتا بلکہ اپنا ہی مال کھا رہا ہوتا ہے۔

❷ اگر اولاد کے مال اور والدین کے لئے نہی کے عمومی دلائل کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو پھر یہ فرمانِ نبویؐ «أنت ومالك لأبيك» ان دلائل کی تخصیص کرنے والی ہے۔

یاد رہے کہ جمہور نے ان عمومی دلائل کے باوجود باپ کے نفقہ کو بیٹے پر واجب قرار دینے کی تخصیص کی ہے، بیٹا پسند کرے یا نہ کرے، لیکن باپ کا نفقہ اس پر واجب ہے۔ اسی طرح حدیثِ ہندؓ نے بھی ان عمومی دلائل کی تخصیص کی ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں موجود ہے کہ ہندؓ نے نبی کریم ﷺ کے پاس ابوسفیانؓ کی کنجوسی کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا: «خذي مايكفيك وولدك بالمعروف» (بخاری:۵۳۶۴) تو اتنا لے سکتی ہے جو معروف طریقے سے تجھے اور تیری اولاد کو کافی ہوجائے۔ (رسالہ امام صنعانیؒ: ص ۲۷)

جمہور علما کی طرف سے اس حدیث «أنت ومالك لأبيك» کو منسوخ کہنے کا جواب

امام صنعانیؒ فرماتے ہیں کہ دعویٰ نسخ کے لئے ضروری ہے کہ ناسخ کے مؤخر ہونے پر دلیل موجود ہو، جبکہ یہاں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے جو ناسخ کے مؤخر ہونے پر دلالت کرتی ہو۔ اور یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ سے یہ نسخ مخفی رہ گیا ہو خصوصاً جب وہ سیدنا عمرؓ، سیدنا علیؓ، ابن مسعودؓ، سیدنا جابرؓ، سیدنا انسؓ، ابن عباسؓ اور سیدہ عائشہؓ جیسے کبار صحابہ کرامؓ ہوں۔

پھر امام صنعانیؒ فرماتے ہیں کہ مختلف دلائل میں امکانِ جمع کے باوجود کون سی شے دعویٰ نسخ پر مجبور کررہی ہے؟ جب امام ابن حزمؒ کے لئے دلائل کے مابین جمع کرنا بظاہر مشکل ہوگیا تو اُنہوں نے نسخ کا حکم لگا دیا۔

لیکن ہمارے نزدیک یہاں جمع ممکن ہے

کہ اس حدیث «أنت ومالك لأبيك» نے فیصلہ کردیا کہ بیٹا اور اس کا مال اس کے

www.KitaboSunnat.com

باپ کا ہے۔ دوسرے دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ جب بیٹا فوت ہوجائے تو اس کا ترکہ والدین، بیوی، اور بھائیوں میں تقسیم ہوگا۔ بظاہر یہ دونوں احکام مخالف نظر آتے ہیں، لیکن ان میں جمع وتطبیق کی صورت یہ ہے کہ تقسیم وراثت کا حکم بیٹے کی وفات کے بعد ہے، جبکہ پہلا حکم «أنت ومالك لأبيك» اس کی زندگی کے دوران ہے۔ لہٰذا جب باپ بیٹا دونوں حیات ہوں تو بیٹے کا مال باپ کی ملکیت ہونے کے لئے کون سا مانع موجود ہے۔ لہٰذا اس آیت کریمہ کو بیٹے کی موت جبکہ حدیثِ مبارکہ کو بیٹے کی زندگی پر محمول کیا جائے گا۔

❁ امام ابن حزمؒ کے اس قول کہ اگر بیٹے کا مال باپ کی ملکیت ہوتا تو بیٹے کے لئے اپنے مال سے خریدی گئی لونڈی کے ساتھ مباشرت کرنا حلال نہ ہوتا، کیونکہ اس آیتِ کریمہ ﴿ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ ﴾ (المومنون:٦) کے عموم سے اپنی مملوکہ لونڈی سے مباشرت کی حلت معلوم ہوتی ہے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے امام صنعانی فرماتے ہیں:

اس حدیث «أنت ومالك لأبيك» میں لفظ «مالك» کا عموم، مخصوص ہے۔ مال اسم جنس ہے جو مضاف ہے اور یہ عموم کے صیغوں میں سے ہے۔ اس عموم کو اجماعِ اُمت نے خاص کردیا ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی زندگی میں اپنے مال سے خریدی گئی لونڈی کے ساتھ مباشرت کرسکتا ہے، اسی طرح بیٹا بیوی کو حق مہر دے کر اس سے نکاح بھی کرسکتا ہے، باوجود اس کے کہ مال حق مہر بھی اس کے باپ کا ہی تھا، کیونکہ یہ امر عہد نبویؐ میں معلوم تھا اور اس کو اس دور میں گوارا کیا گیا ہے۔

عموماً بیٹا شادی کرتے وقت یا لونڈی خریدتے وقت اپنے زندہ باپ سے ضرور مشورہ کرتا ہے۔ لہٰذا جو کام بیٹے نے اپنے باپ کی اجازت اور مشورے سے کیا ہو، وہ بیٹے کے لئے مباح ہے۔ اور اگر کوئی بیٹا اپنے باپ کی رائے اور مشورے کے خلاف کام کرتا ہے تو وہ نافرمان اور گناہگار ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ باپ کی رضا مندی ہی بیٹے کے لئے اس کے مال کو مباح کردیتی ہے اور اسی بنا پر بیٹا اپنے باپ کے مال میں تصرف کرسکتا ہے۔

(یہاں تک امام صنعانی کا کلام ختم ہوا)

www.KitaboSunnat.com

جمہور کی اس دلیل: حدیث «کل أحد أحق بماله من والده وولده والناس أجمعین» کا جواب

یہ حدیث مرسل ہے۔ اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ حدیث بیٹے کے حق کو باپ کے حق پر ترجیح دینے پر ہی دلالت کرتی ہے، کلیۃً باپ کے حق کی نفی نہیں کرتی یعنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے میں بیٹا اپنے باپ سے زیادہ حق دار ہے۔ (المغنی:۲۸۸/۶)

میں سمجھتا ہوں کہ شاید حدیثِ مرسل سے ان کی مراد حدیثِ ضعیف ہے۔ واللہ اعلم، کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ احادیثِ مرسل کو ضعیف سمجھتے ہیں اور فتوائے صحابی کو اس پر مقدم کرتے ہیں۔

جمہور (بلاضرورت منع کے قائل) کے دلائل کے ساتھ کئے گئے مباحثہ کا جواب

❶ امام صنعانیؒ کا یہ قول کہ ''جمہور کے دلائل غیر محل نزاع میں ہیں، کیونکہ باپ کسی غیر کا مال نہیں کھاتا بلکہ اپنا ہی مال کھا رہا ہوتا ہے''، کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ امام صنعانیؒ کا یہ فہم غیر صحیح ہے اور یہاں غیر ملزوم کو لازم کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس دعویٰ کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کیا جائیگا۔ اسی طرح اس آیتِ کریمہ ﴿ولا تأكلوا اموالكم بينكم بالباطل﴾ (البقرۃ:۱۸۸) میں جمع کے مقابلے میں جمع کا لفظ آیا ہے ﴿أموالكم بينكم﴾ جو مفرد کے مقابلے میں مفرد کا متقاضی ہے۔ یعنی جس طرح سب مل کر دوسروں کا مال باطل طریقے سے نہیں کھا سکتے، اس طرح کوئی اکیلا شخص بھی کسی دوسرے اکیلے شخص کا مال نہیں کھا سکتا۔ لہٰذا ہم کہیں گے کہ بیٹا باپ کے بالمقابل مفرد ہے اور اس آیت کریمہ کا معنی ہوگا کہ باپ اپنے بیٹے کا مال باطل طریقے سے نہیں کھا سکتا۔ اس اعتبار سے یہ آیت کریمہ محل نزاع میں واضح نص ہے۔

❷ امام صنعانیؒ کا یہ قول کہ جمہور کے عمومی دلائل کو حدیث «أنت ومالك لأبيك» خاص کرنے والی ہے، کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ بلا شبہ یہ حدیث بسا اوقات اس مفہوم کو خاص کرتی ہے، جیسا کہ گذر چکا ہے کہ جمہور کے نزدیک بھی باپ کا نفقہ بیٹے پر واجب ہے، لیکن امام صنعانی کے اس مفہوم کو کہ بیٹے کا مال باپ کی ملکیت ہے، پر بہر حال دلالت نہیں کرتی، لہٰذا یہ مفہوم نا قابل قبول ہے۔ اس حدیث کے معنی میں جمہور کی ذکر کردہ وجوہ

www.KitaboSunnat.com

ہی اولیٰ واَقرب ہیں۔

❸ امام صنعانیؒ کا یہ قول کہ اس حدیث «أنت ومالك لأبيك» کے نسخ پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے جو ناسخ کے متاخر ہونے پر دلالت کرے۔ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اس حدیث کا ناسخ اجماعِ اُمت ہے کہ دیت کا ترکہ ورثا میں تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ آیت میراث سے معلوم ہوتا ہے۔ نیز یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دلائل نسخ فقط ناسخ کی تاریخ کے مؤخر ہونے میں محصور نہیں بلکہ اجماعِ امت بھی دلائل نسخ میں سے ایک دلیل ہے۔

❹ امام صنعانیؒ کا یہ قول کہ اس حدیث اور آیتِ میراث میں جمع ممکن ہے، کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ عموم حدیث کے مطابق جب بیٹے کی زندگی میں اس کا مال اس کے باپ کی ملکیت ہے۔ تو اس کے مرجانے کے بعد اس کی ذاتی ملکیت کیسے ہوسکتا ہے تاکہ اس کو ورثا پر تقسیم کیا جاسکے۔ پھر اگر دادا زندہ ہے، تو بیٹے کا مال درحقیقت دادا کا مال بن جائے گا، کیونکہ اس اُصول کے مطابق دادا، بیٹے کے باپ کے سارے مال کا مالک ہے۔ یہ ایک ایسا تسلسل ہے جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ بلکہ یہ تسلسل بیٹے کی ملکیت کو منفی کردینے والا ہے جب تک کہ اس کا باپ، دادا یا پڑدادا زندہ ہیں اور یہ واضح امر ہے کہ اہل علم میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے بیٹے کو اپنے مال کا مالک بنایا ہے اور اسے اپنے والدین پر خرچ کرنے، زکوٰۃ نکالنے، صدقہ کرنے اور جملہ مالی حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

❁ اسی طرح اگر بیٹے کی زندگی میں اور موت کے بعد، اس کے مال کی دو مختلف حالتیں ہیں تو پھر بیٹے کی ذات سے متعلق کیا حکم ہے جیسا کہ حدیث «أنت ومالك لأبيك» میں مال کے ساتھ ذات کا بھی ذکر موجود ہے، کیا وہ بھی مال کی مانند شمار ہوگا؟ واضح بات ہے کہ اہل علم میں سے کوئی ایک بھی اس امر کا قائل نہیں۔

❁ اگر جمہور کے پاس فقط آیتِ میراث ہی دلیل ہوتی تو زندگی اور موت کے بعد بیٹے کے مال سے متعلق مذکورہ تفصیل قابل توجہ تھی، لیکن جمہور کے پاس اس کے علاوہ بھی متعدد دلائل ہیں، جن کا ذکر گذر چکا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

❺ امام ابن حزمؒ کی دلیل پر امام صنعانیؒ کے ردّ کا یوں جواب دیا گیا ہے کہ اگرچہ عرفِ عام کو ردّ نہیں کیا جاسکتا کہ بیٹے عموماً اپنے والدین کے مشورے سے ہی کام سرانجام دیتے ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اولاد کی اکثریت مکمل آزادی سے اپنے مال میں تصرف کرتی ہے اور اولاد کا آزادی سے اپنے مال میں تصرف کرنا گناہ یا نافرمانی نہیں ہے۔

❻ امام ابن قدامہؒ کی کلام کہ ''حدیث «كل أحد أحق بماله» مرسل ہے'' کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مرسل حدیث حجت ہے، جیسا کہ کثیر حنابلہؒ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ (دیکھئے الكوكب المنير:۲/۵۷۶، أصول مذهب الإمام أحمد: ص۳۳۳)

بیٹے کے مال پر ماں اور دادا کی ملکیت کا حکم

اس مسئلہ پر مذاہبِ اربعہ میں سے صرف حنابلہ نے ہی گفتگو کی ہے۔ کیونکہ حنابلہ نے ہی چند سابقہ شروط کے ساتھ باپ کے لئے مباح قرار دیا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے مال کو اپنی ملکیت بنا سکتا ہے۔

ایسے ہی امام صنعانیؒ نے حدیث «أنت ومالك لأبيك» پر اپنے رسالہ میں بھی اس مسئلہ پر کچھ گفتگو کی ہے۔ دیگر تینوں مذاہب (جن کے نزدیک بلاضرورت باپ اپنے بیٹے کے مال سے نہیں لے سکتا) نے ماں کا حکم سرے سے ذکر ہی نہیں کیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک جب باپ اپنے بیٹے کے مال سے بلاضرورت نہیں لے سکتا تو ماں بالاولیٰ نہیں لے سکتی۔

حنابلہ کے ہاں بیٹے کے مال کا مالک بننے کے سلسلے میں ماں کا حکم باپ کے حکم سے مختلف ہے۔ ان کے نزدیک صحیح ترین اور معتمد مذہب یہ ہے جس پر ان کے اصحاب ہیں کہ ماں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ باپ کی مانند اپنے بیٹے کے مال سے کچھ لے۔

(المغنی:۶/۲۹۴، الانصاف:۷/۵۴، المبدع:۵/۳۸۱)

ماں کے لئے ملکیت کے عدمِ جواز پر بحث کرتے ہوئے امام صنعانیؒ فرماتے ہیں:

''اموال میں اصل حکم منع ہے (یعنی ایک آدمی کا مال دوسرے کو دینا منع ہے) البتہ باپ کے لئے اس حکم کی مخالفت دلالتِ نص کی بنا پر کی گئی ہے اور وہ نص یہ حدیث «أنت ومالك

www.KitaboSunnat.com

لأبيك» ہے۔ باقی لوگوں کے لئے حرمتِ مال کا حکم اپنی اصل پر ہی باقی ہے۔''

❁ البتہ حنابلہ کے ہاں ایک قول جواز کا بھی پایا جاتا ہے، لیکن اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا۔ اس قول جواز کے لئے حدیث «أنت ومالك لأبيك» کے عموم سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اس جگہ «لأبيك» سے مراد 'اصل' (جڑ) ہے جو خصوصیت ماں اور باپ دونوں کو حاصل ہے۔ اسی طرح سیدنا جابر بن عبداللہؓ اور سیدہ عائشہؓ کے اثر سے بھی استدلال کیا جاتا ہے، جو پیچھے گذر چکا ہے کہ ماں باپ دونوں بیٹے کے مال کو اپنی ملکیت بنا سکتے ہیں۔

بیٹے (پوتے) کے مال پر دادا کی ملکیت کا حکم

حنابلہ کے نزدیک دادا کو باپ کی مانند یہ حق حاصل نہیں ہے، ان کی دلیل وہی ہے جو اُنہوں نے ماں کے لئے اس حق کے عدم جواز پر ذکر کی ہے۔ امام صنعانیؒ سوالیہ انداز اپناتے ہوئے فرماتے ہیں: اپنے بیٹے کے مال کو اپنی ملکیت بنانے میں کیا ماں، باپ کی مانند ہے؟

میں کہتا ہوں کہ یہ نص فقط باپ کے بارے میں وارد ہے اور سیدنا جابرؓ کا قول: ''يأخذا الأب والأم من مال ولدهما بغير إذنه'' ان کی ذاتی رائے ہے، اُنہوں نے ماں کو باپ پر قیاس کیا ہے اور نبی کریم ﷺ کے اس قول «إن أولادكم من أطيب كسبكم فكلوا من كسب أولادكم» کے عموم میں والدین دونوں کو داخل کر دیا ہے۔

(المُحلی: ۱۰۴/۸، وصحح عنہ)

اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ اولاد والدین کی کمائی ہے اور حدیث میں بیٹے کے مال سے لینے کی یہی علت بیان ہوئی ہے۔ لیکن لفظ «أولادكم» عام ہے اور عام اپنی علت پر محصور نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ لفظ «أولادكم» میں ضمیرِ انسان ہے، کیا یہ ضمیر مردوں کے ساتھ خاص ہے؟ تو میرا جواب یہی ہے کہ ہاں! یہ ضمیر مردوں کے ساتھ خاص ہے جو اُمہات کو شامل نہیں ہے، سوائے تغلیب کے اور تغلیب مجاز ہے جبکہ اصل ہی حقیقت ہے۔

اور اصل یہ ہے کہ بیٹے کے مال کی حفاظت کی جائے اور اس میں کسی غیر کو شریک نہ کیا جائے اور وہ مال کسی مضبوط دلیل کے بغیر کسی دوسرے شخص کو نہ دیا جائے، جیسا کہ باپ کے بارے میں نص وارد ہے۔ لہٰذا سیدنا جابر کا اثر اور حدیث «من كسبكم» کا عموم ماں کے

www.KitaboSunnat.com

لئے ملکیت ثابت کرنے کے لئے ناکافی ہیں۔

اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ ماں کو باپ کے ساتھ ملحق کرنے میں کون سا مانع ہے؟ حالانکہ علت دونوں کے متعلق ہے، کیونکہ اولاد ماں باپ دونوں کی کمائی ہے، اکیلے باپ کی نہیں ہے۔

اس میں میرا جواب یہی ہوگا کہ علت پر نص صریح آجانے کے بعد میں اس کو بعید خیال نہیں کرتا۔ واللہ اعلم!

خاتمہ، حاصل بحث اور اقوال میں ترجیح

آخر میں مذکورہ مسئلہ میں اہل علم کے اقوال، دلائل، مباحثہ اور جوابات کا خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے اور ان کے تین اقوال ہیں:

❶ **پہلا قول:** باپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ سوائے ضروری نفقہ کے وہ اپنے بیٹے کے مال کو اپنی ملکیت بنائے۔

یہ قول حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ میں سے جمہور اہل علم کا ہے اور ایک روایت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی مروی ہے۔ اُنہوں نے نصوصِ قطعیہ اور قواعدِ شرعیہ عامہ سے استدلال کیا ہے جو بیٹے کے لئے اس کے مال کی حفاظت وعصمت کو ثابت کرتے ہیں اور ان دلائل میں سے سرفہرست دلیل آیتِ میراث اور مالِ غیر کو اس کی رضا مندی کے بغیر کھانے کی حرمت پر دلالت کرنے والی آیاتِ کریمہ اور احادیثِ نبویہ کا عموم ہے اور حدیث «أنت ومالك لأبيك» کو اُنہوں نے ضرورت وحاجت پر محمول کیا ہے۔

بہرحال دیگر مسائل فقہ کی مانند یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے۔

❷ **دوسرا قول:** مطلقاً باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جتنا چاہے، اپنے بیٹے کے مال میں سے لے لے اور اسے اپنی ملکیت بنالے، خواہ اس کو ضرورت ہو یا نہ ہو۔

یہ قول صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے منقول ہے جن میں سے سیدنا عمرؓ بن خطاب، سیدنا علیؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سرفہرست ہیں۔

اُنہوں نے نصوصِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہؐ سے استدلال کیا ہے، لیکن ان کی مضبوط ترین دلیل نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث «أنت ومالك لأبيك» اور «إن أولادكم من أطيب كسبكم، فكلوا من كسب أولادكم» ہے۔

❸ **تیسرا قول:** یہ قول بھی دوسرے قول کی مانند ہے، لیکن اُنہوں نے دوسرے قول کے اِطلاق کو چھ شرائط کے ساتھ مقید کردیا ہے۔ جن میں سے اہم ترین شرط پہلی ہے کہ بیٹے کا مال

www.KitaboSunnat.com

لینے سے اس کو ضرر نہ پہنچے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: «لا ضرر ولا ضرار» اس قول کو حنابلہ نے المُعتمد میں اختیار کیا ہے اور انکے ہاں اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔

- لیکن اگر سابقہ اقوال اور ان کے دلائل کو بنظرِ عمیق دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ تیسرا قول اپنی شروط و قیود سے پہلے قول کے موافق ہے۔ کیونکہ اس قول میں اُنہوں نے باپ کے لئے بیٹے کے مال سے لینے کے مطلق جواز کو چند شرائط کے ساتھ مقید کردیا ہے اور بیٹے کو ضرر نہ پہنچنے کی قید لگائی ہے.....!
- جمہور کے قول سے واضح ہوتا ہے کہ باپ بلاضرورت اپنے بیٹے کے مال سے نہیں لے سکتا۔ اس قول میں جمہور نے طرفین (باپ اور بیٹا دونوں) کی رعایت رکھی ہے، باپ کا حق بوقتِ ضرورت نفقہ حاصل کرنے کے ذریعے محفوظ ہے اور بیٹے کا حق اس کے مال کی حفاظت کے ذریعے محفوظ ہے۔ دونوں کے حقوق اپنے اپنے مقام پر محفوظ ہیں۔ اس قول میں خاندانی مشکلات کا حل اور ہر فریق کو اپنے ایمان کی زیادتی اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر قناعت کرنے کی دعوت ہے۔ اس قول سے دل مطمئن ہوجاتا ہے اور اس میں مذکور حِکَم واَسرار سے سینہ کھل جاتا ہے اور عقل پرسکون ہوجاتی ہے۔
- اس بنا پر اگر باپ بیٹے کے مال کو اپنی ملکیت بنانے یا اپنی ضرورت سے زیادہ مال حاصل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اور بیٹا اس مطالبے کو مسترد کردیتا ہے تو وہ بیٹا نافرمان اور گناہگار نہیں ہوگا، کیونکہ بقدرِ ضرورت ان پر خرچ کرکے وہ اپنا فریضہ ادا کررہا ہے اور ان کے حق میں کوتاہی نہیں کررہا۔
- یہ ایک پہلو سے ہے، اگر دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو یہ امر واضح ہوتا ہے کہ علماے کرام کا اختلاف رحمت ہے۔ مثال کے طور پر اگر معاملہ قاضی کے پاس عدالت میں چلا جاتا ہے تو قاضی دلائل، شہادات اور حالات کو سامنے رکھ کر علما کے ان اقوال میں سے کسی اَحسن اور حالات کے موافق قول کو اختیار کرکے فیصلہ دے سکتا ہے۔
- باپ کے لئے نصیحت ہے کہ وہ نیکی پر اپنے بیٹے کا تعاون کرے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے «رحم الله والدًا أعان وَلَدَه على برّه» (رواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب العیال: ۱/۳۰۶، رقم ۱۵۰) تاکہ بیٹا بھی اس کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک سے پیش آئے۔ والد کی طرف سے نیکی طبعی امر ہے جبکہ بیٹا اس کا مکلّف ہے۔
- اس میں بیٹے کو بھی نصیحت ہے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک سے پیش آئے، ان کے لئے جود وسخا کے ہاتھ کھول دے اور ان پر خرچ کرنے میں کنجوسی نہ

www.KitaboSunnat.com

کرے۔ تنگی اور احسان محسوس کئے بغیر بلا مطالبہ ان کو دیتا رہے خصوصاً جب اللہ تعالیٰ نے رِزق کی وسعت دی ہو۔ بلکہ والدین کے ساتھ احسان کرنا زیادتیٔ رزق اور طوالتِ عمر کا سبب ہے، جیسا کہ مشہور احادیث میں موجود ہے۔

- اسی طرح بیٹا جب محسوس کرے کہ والدین اس کے مال سے توقع رکھتے ہیں اور وہ بلا حد اس میں سے لینا چاہتے ہیں تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کے ساتھ حکیمانہ راستہ اختیار کرے اور ان کے ساتھ نیکی کرے۔ ان کو غصہ دلانے کا سبب نہ بنے، کیونکہ دانا شخص کبھی وسیلوں کا راستہ ختم نہیں کرتا اور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان: «لا يجزي ولد والدًا إلا أن يجده مملوكًا فيشتريه ، فيعتقه» (صحیح مسلم: ۱۵۱۰) کو پیش نظر رکھے۔

''کوئی شخص بھی اپنے والد کا حق ادا نہیں کرسکتا، اِلا یہ کہ وہ اپنے والد کو غلام پائے تو خرید کر اس کو آزاد کردے۔''

- نیک بیٹے کو چاہئے کہ وہ والدین کی رضا میں اللہ کی رضا تلاش کرے، جیسا کہ سیدنا معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ سائل نے ان سے پوچھا: ما حق الوالدين على الولد؟ بیٹے پر والدین کا کیا حق ہے؟ تو اُنہوں نے فرمایا: ''لو خرجت من أهلك ومالك ما أديت حقَّهما'' (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۵۶/۸)

''اگر تو اپنے مال اور اہل وعیال سے بھی نکل جائے تو تب بھی تو نے ان کا حق ادا نہیں کیا۔''

- حسن بصریؒ سے جب والدین کے ساتھ حسن سلوک کے حوالے سے سوال کیا گیا، تو اُنہوں نے فرمایا: «أن تبذل لهما ما ملكت وأن تطيعهما في ما أمراك به إلا أن يكون معصية» (البر والصلة للحسين المروزي عن ابن المبارك ص۷، مصنف عبدالرزاق: ۱۷۶/۵، رقم ۹۲۸۸)

''والدین کے ساتھ حسن سلوک یہ ہے کہ تو اپنی ملکیت میں موجود ہر شے کو ان کے لئے خرچ کردے، اور ان کے ہر حکم کی اطاعت کرے، سوائے معصیت کے۔''

- امام ابن ابی الدنیاؒ مرسل سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے بھی افضل نفقہ کون سا ہے؟

صحابہ کرامؓ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا: بیٹے کا اپنے والدین پر خرچ کرنا۔ (کتاب العیال: ۱۶۱/۱، رقم ۲۶)

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو اور ہمارے والدین کو معاف فرمائے جس طرح کہ اُنہوں نے بچپن میں انتہائی محبت واہتمام سے ہماری پرورش کی۔ آمین!

www.KitaboSunnat.com

عدل وقضا

ڈاکٹر عبدالرءوف ظفر☆

دوسری قسط

سیرتِ نبوی ﷺ اور پاکستان میں عدل کے اِدارے

رسول اللہ ﷺ کے اُصولِ قضا

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قضا کے منصب پر فائز کیا اور اس کے کچھ اُصول مقرر کیے جیسا کہ قرآنِ مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ مِن كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾[1] ''اور فرما دیجئے میں اس کتاب پر ایمان رکھتا ہوں جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔''

﴿قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ﴾[2]

''اور کہہ دیجئے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔''

﴿وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾[3]

''اور اگر تو ان کے درمیان فیصلہ کرے تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کر۔''

حضور ﷺ نے قاضی کا منصب اس عہدہ کے تحت تو کبھی کسی کو عطا نہیں فرمایا، البتہ عمال کی ذیلی ذمہ داریوں میں اُمورِ قضا کی انجام دہی بھی شامل تھی۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو نبی ﷺ نے خود یمن کے امیر تعینات فرمایا تھا۔ دراصل عمرؓ اسلام کے دورِ خلفاے راشدین کے پہلے قاضی تھے جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں باقاعدہ قاضی کے عہدے پر فائز کیا مگر سال بھر تک ان کے سامنے کوئی مقدمہ ہی پیش نہ ہوا۔ چنانچہ جہاں تک دورِ نبوی کی بات ہے تو نبی اکرم ﷺ نے بعض صحابہؓ کو اکنافِ عرب میں مقدمہ کا فیصلہ کرنے کا اختیار دے کر روانہ فرمایا، اگرچہ ان کے لیے قاضی کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا[4]

جب حضرت علیؓ کو یمن بھیجا گیا تو اُنہوں نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! وہاں نئے نئے

☆ ڈائریکٹر مسندِ سیرت، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

[1] الشوریٰ: ۱۵ [2] الاعراف: ۲۹ [3] المائدۃ: ۴۲

[4] شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ (مکتبہ رحمانیہ، لاہور) ۵۰/۲

www.KitaboSunnat.com

مقدمات پیش ہوں گے اور مجھے قضا کا تجربہ ہے، نہ علم۔'' تو نبی ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ تیری زبان کو راہِ راست کی توفیق عطا فرمائے گا اور تیرے قلب کو ثبات بخشے گا۔'' بہرحال حضرت علیؓ نے اپنے آپ کو اس منصب کا پورا پورا اہل ثابت کیا جو عین جوانی میں ان کے سپرد کیا گیا تھا۔⑤

معاذ بن جبلؓ کو اسی غرض سے یمن روانہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا «كيف تقضي؟» ''تم فیصلہ کیسے کرو گے؟'' تو اُنہوں نے کہا: کتاب اللہ کے مطابق، پھر سنتِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق.....الخ۔''⑥

یمن کے نواح میں چار اور فیصلہ کرنے والے بھی آپ ﷺ نے مقرر فرمائے۔ خالد بن سعیدؓ صنعاء کے لیے، مہاجری بن اُمیہؓ کندہ کے لیے، زیاد بن لبیدؓ حضرموت کے لیے اور ابوموسیٰؓ اشعری کو زبید، زمعہ، عدن اور سواح کے لیے روانہ فرمایا۔ اسی طرح عتاب بن اسیدؓ کو مکہ میں عامل مقرر فرمایا، ان کی عمر اس وقت بیس برس کے لگ بھگ تھی۔ عہدۂ امارت کے لیے نبی اکرم ﷺ جب بھی کسی مہاجر کو عامل مقرر فرماتے تو ہمراہ کسی انصاری کو بھی روانہ فرماتے۔ ان اصحاب کے انتخاب کے وقت حضور اکرم ﷺ ان کی علمیت اور کردار کا جائزہ ضرور لیا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں روانگی سے پہلے ان عمال کا حضور ﷺ خود ایک انٹرویو لیتے جنہیں عملاً بطورِ قاضی بھی کام کرنا ہوتا تھا۔⑦

عاملینِ زکوٰۃ کی ایک طویل فہرست کتبِ سیر میں ملتی ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ وقتاً فوقتاً یہ لوگ بھی جھگڑے چکا دیا کرتے تھے۔ بہرحال قاضی یا جج کا عہدہ بعد کے زمانے میں امارت یا عامل سے الگ کیا گیا۔ ابن خلدون نے قضا کو خلافت کے وظائف (functions) میں شمار کیا ہے اور اسے صرف خلیفہ کے لیے سمجھا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمرؓ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے اُمورِ خلافت کے پھیلاؤ کے باعث یہ منصب بطورِ عہدہ اپنے پورے اختیار کے ساتھ حضرت ابودردانہ انصاریؓ اور عویمر بن ثعلبہ انصاریؓ کو مدینہ میں مقرر فرمایا۔ دراصل یہ تقسیم کار کی ایک صورت تھی۔⑧

---

⑤ عباس محمود العقاد مصری، علی بن ابی طالب، ترجمہ مولانا فتح پوری (نفیس اکیڈمی، لاہور) ص ۲۵۹

⑥ ابوداؤد، السنن، ص ۵۱۶، حدیث نمبر ۳۵۹۲۔ (حدیث ضعیف)

⑦ ابوالحسن، علی بن محمد بن حبیب، الاحکام السلطانیہ (دارالطباعت عثمانیہ، لاہور) ص ۲۱

⑧ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، المقدمۃ (مصطفیٰ محمد القاہرہ، ۱۳۲۹ھ)

www.KitaboSunnat.com

جب آپ ﷺ سفر پر روانہ ہوتے تو عبداللہ ابن اُمّ کلثومؓ کو بھی اپنا نائب یا امیر مقرر فرمایا کرتے اور وہ نابینا تھے۔[9] دورِ مکی میں نبی کریم ﷺ نے اس امر کا اہتمام فرمایا کہ ایسے افراد تیار کئے جائیں جو اسلامی مملکت کے سیاسی، انتظامی اور مالی اُمور بحسن وخوبی چلاسکیں، جبکہ حصولِ اقتدار کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ مدینہ منورہ ہجرت کے بعد نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اسلامی مملکت کا قیام عمل میں لائے اور مسلمانوں کے درمیان باہمی بھائی چارہ قائم کردیا۔ پھر یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکین عرب سے معاہدہ کیا۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچ کر مختلف اقوام سے متعدد معاہدے کئے جن کے مجموعے کو میثاق مدینہ بھی کہہ دیا جاتا ہے، اس میثاق کی ۲۴ اور ۴۴ دونوں دفعات عدل پر مشتمل ہیں۔ بعض لوگوں نے اسے دنیا کا پہلا تحریری دستور بھی قرار دیا ہے۔[10] جس میں سیاسی فوجی اور مالی اُمور شامل ہیں۔ معاہدہ کرنے والے سب فریق ان اُمور کے پابند تھے۔

اب ہم ان معاہدات کا تنقیدی مطالعہ پیش کرتے ہیں جن میں اصلاح کے بہت سے پہلو شامل ہیں اور ان میں سے ایک نظامِ عدل کی اصلاح بھی ہے۔ اس معاہدے کی رو سے وہ تمام اُصول اور ضابطے منسوخ قرار پاگئے تھے جن پر پہلے نظامِ عدل کی اساس تھی اور ایسے نئے اُصول اور ضابطے میسر آگئے جو انسانیت کیلئے پہلے سے زیادہ اطمینان بخش تھے۔ ڈاکٹر لوتھر نے بڑی عقیدت کے ساتھ ایسے نئے اُصولوں کے بارے میں کہا ہے:

''اسلام نے بڑی سلطنتوں اور مستقل تہذیبوں کو تہہ وبالا کرکے نفوسِ اقوام کو نئی ترکیب دی اور ایک مکمل جدید دنیا یعنی دنیائے اسلام تعمیر کی جس کا اثر تمام نوع انسان پر پڑ کر رہے گا۔''[11]

◉ فتح مکہ کے بعد صرف طائف کا قبیلہ ایسا تھا جس نے اطاعت قبول نہیں کی تھی، آنحضرت ﷺ نے اس کا محاصرہ کیا مگر چند روز بعد بعض وجوہ کی بنا پر محاصرہ اُٹھالیا۔ صخر کے ایک رئیس کو جب معلوم ہوا تو اس نے خود طائف کی حصار بندی کی اور اُنہیں مصالحت پر آمادہ کیا۔ اس واقعہ کے بعد مغیرہ بن شعبہ ثقفی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ صخر نے ان کی پھوپھی کو اپنے قبضے میں لے رکھا ہے، آپ ﷺ نے صخر کو بلا کر حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو ان کے گھر

---

⑨ ابوداؤد، السنن، ص ۴۲۶، حدیث نمبر ۲۹۳۱

⑩ محمد حمیداللہ، عہدِ نبویؐ میں نظام حکمرانی (مکتبہ ابراہیمہ، حیدرآباد دکن) ۱/۸۴

⑪ ڈاکٹر لُوتھر، جدید دنیائے اسلام (بحوالہ مقالات سیرت، نویں قومی کانفرنس، اسلام آباد) ص ۱۶۵

www.KitaboSunnat.com

پہنچا دو۔ اس کے بعد بنوسلیم نے آ کر شکایت کی کہ اسلام لانے سے قبل صخر نے ان کے چشمہ پر قبضہ کرلیا تھا، اب چونکہ وہ اسلام لا چکے ہیں، لہٰذا اُن کا چشمہ اُنہیں دلایا جائے آپ ﷺ نے صخر کو بلا کر فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرلیتی ہے تو وہ اپنے جان و مال کی مالک ہوجاتی ہے اور آپ ﷺ نے وہ چشمہ واپس کرادیا۔ ان دونوں معاملات میں فیصلہ صخر کے خلاف ہوا، حالانکہ فتح طائف کا سہرا اِنہی کے سر تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ان کی خدمات کے باوجود عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ (۱۲)

◉ قرآن اور سنت ہی وہ اُصول ہیں جن کی اتباع ان پر واجب ہے۔ نیز اس مجموعہ معاہدات کی شق نمبر ۴۲ کا منشا یہ ہے کہ غیر مسلموں کو قانونی حقوق حاصل ہیں، چنانچہ قرآنِ حکیم میں یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر ادیان کے پیروکاروں کے حقوق کا ذکر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِن جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِن تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَن يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ * وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ (۱۳)

''اگر یہ تمہارے پاس (اپنے مقدمات لے کر) آئیں تو تمھیں اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہو ان کا فیصلہ کرو ورنہ انکار کردو۔ انکار کردو تو یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، اور فیصلہ کرو تو پھر ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اور یہ تمھیں کیسے حَکَم بناتے ہیں جبکہ ان کے پاس توراۃ موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے اور پھر یہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔''

اس آیت میں مذکور ہے کہ دیگر ادیان کے پیروکار نبی اکرم ﷺ کی طرف رجوع فرمائیں گے، جب وہ آپس میں اپنے جھگڑوں کا فیصلہ نہ چکا سکیں۔ چنانچہ عہدِ رسالت میں مدینہ کے باشندے اپنے جھگڑے اور دعوے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں عدل

ادارۂ نبوت کے ذمہ خاتم النّبیین ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سمیت جو مختلف فرائض سپرد

(۱۲) ابوداؤد، السنن، ص ۴۴۹، حدیث نمبر ۳۰۶۷ (۱۳) المائدہ: ۴۲، ۴۳

www.KitaboSunnat.com

رہے، ان میں سے قرآنِ مجید کی شہادت کے مطابق ایک بڑا فریضہ قیامِ نظامِ عدل بھی تھا۔ عدل وانصاف کے اعلیٰ اور برتر اُصولوں کی حکمرانی کے لیے آپ ﷺ خود ہی ہمیشہ جواب دہی کے لیے تیار رہتے تھے اور اگر آپ ﷺ کے کسی سلوک سے نادانستہ طور پر کسی شخص کو ایذا پہنچ جاتی تو آپ ﷺ اسے اپنا بدلہ لینے کے لیے فراخ دلانہ پیش کش فرماتے۔ ایک مرتبہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے دوران میں ایک شخص کے چہرے پر جو اپنا حصہ لینے کے لیے آپ ﷺ پر جھک آیا تھا تو آپؐ کے نیزے کا زخم لگ گیا۔ آپؐ نے فوراً اسے بدلہ لینے کی پیش کش کی مگر اس نے کوئی بدلہ نہ لیا۔[۱۴]

ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے ایک شخص کی کمر پر، جو اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے لوگوں کو ہنسا رہا تھا، ٹھوکا دیا جس پر اس نے بدلہ لینے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ ﷺ نے اپنی کمر آگے کردی۔ مگر اس نے کہا: ''میں برہنہ تن تھا، جبکہ آپ ﷺ قمیص پہنے ہوئے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے قمیص اُٹھادی، اس نے آگے بڑھ کر مہر نبوت کو چوما اور کہا میں تو صرف یہ چاہتا تھا۔''[۱۵] حضور ﷺ بیماری کی حالت میں تشریف لاتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں:

''اے لوگو! اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کبھی درّہ مارا ہے تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے، وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کو برا بھلا کہا تو یہ میری آبرو حاضر ہے، وہ اس سے انتقام لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کا مال چھینا ہے تو میرا مال حاضر ہے، وہ اس سے اپنا حق لے سکتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی یہ اندیشہ نہ کرے کہ اگر کسی نے انتقام لیا تو میں اس سے ناراض ہوں گا، یہ بات میری شان کے لائق نہیں۔''[۱۶]

اولاد کے ساتھ عدل کے بارے میں حدیث میں آتا ہے۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی اہلیہ نے اُن سے کہا: میرے لڑکے کو فلاں غلام بخش دو، اس پر رسول ﷺ کو گواہ بناؤ۔ حضرت نعمانؓ بن بشیر نے یہ سارا واقعہ حضور ﷺ سے بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے علاوہ اور بھی اولاد ہے۔ اس نے کہا: جی ہاں! فرمایا: پھر میں ناحق پر گواہ نہیں بن سکتا۔[۱۷]

آپ ﷺ نے فرمایا: «فاتّقوا الله واعدلوا بين أولادكم»[۱۸]

---

[۱۴] ابوداؤد، السنن، ص ۶۴۱، حدیث نمبر ۴۵۳۶ [۱۵] ایضاً، ص ۷۳۳، حدیث نمبر ۵۲۲۴

[۱۶] صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم (مکتبہ سلفیہ، لاہور ۱۹۹۴ء) ص ۷۴۵

[۱۷] البخاری، الجامع الصحیح (دارالسلام، الریاض ۱۹۹۸ء) ص ۴۱۷، حدیث نمبر ۲۶۵۰

www.KitaboSunnat.com

''خدا سے ڈرو اپنی اولاد میں انصاف کرو۔''

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اسماءؓ بنتِ یزید بن سکن انصاری عورتوں کی نمائندہ کے طور پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ سے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مردوں اور عورتوں دونوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ ہم عورتیں بھی ربِّ جل جلالہ پر ایمان لائی ہیں، لیکن خدا کی راہ میں جان کی بازی تمام فضیلت اور ثواب کے ساتھ صرف مردوں پر واجب کی گئی ہے کہ اگر وہ فتح کریں تو اُن کو ثواب اور مالِ غنیمت ملتا ہے اور اگر قتل کر دیئے جائیں تو مقامِ شہادت پر فائز ہوتے ہیں۔ ہم عورتیں جب ہمارے شوہر جنگ کے میدان میں ہوتے ہیں تو گھر اور بچوں کی رکھوالی اور گھریلو کاموں کی بجا آوری میں مشغول ہوتی ہیں، کیا ہم بھی جہاد کے ثواب میں مردوں کے برابر شریک ہوسکتی ہیں؟'' تو آنحضرت ﷺ نے اصحاب کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ اُنہوں نے کس قدر اچھا سوال کیا ہے۔ پھر حضرت اسماءؓ سے فرمایا کہ دوسری عورتوں سے بھی جن کی طرف سے تم نے یہ بات کہی ہے، میرا یہ قول پہنچا دینا کہ گھریلو فرائض کی انجام دہی، بچوں کی پرورش اور شوہر کی خدمت عورتوں کی طرف سے خدا کی راہ میں جہاد شمار کیا جاتا ہے۔''[19]

خواتین کے معاملے میں عدل وانصاف کے بارے میں بہت ساری احادیث کا ذکر ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ خواتین نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپؐ سے فیض حاصل کرنے میں ہم پر مرد غالب رہتے ہیں، اس لیے آپؐ ہمارے لیے ایک دن مختص فرما دیجئے۔ آپ نے ان کے لیے ایک دن متعین فرما دیا، ان سے ملے، وعظ فرمایا اور احکام دیئے۔ اس موقع پر آپ نے خواتین سے یہ بھی فرمایا کہ تم میں سے کسی کے اگر تین بچے فوت ہوگئے تو وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے رکاوٹ ثابت ہوں گے۔ ایک خاتون نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر دو ہی بچے فوت ہوئے تو آپ نے فرمایا: اگر دو بھی فوت ہوئے تب بھی۔[20] مذکورہ بالا دو حدیثوں پر اگر غور کیا جائے تو جہاں چند ایک نہایت ہی اہم باتوں کی وضاحت ہوتی ہے وہاں ان کے متعلق ہمیں توجیہات وتعلیماتِ نبوی سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔

اسی طرح خواتین کے لیے وراثت کا حق رکھنا، اُن کو تعلیم دلوانا، ان کی اچھی تربیت کرنا سب

---

[18] ایضاً، ص ۴۱۷، حدیث نمبر ۲۵۸۷ [19] مقالاتِ سیرت نبویؐ، ص: ۱۹۲

[20] البخاری، الجامع الصحیح، ص ۲۳، حدیث نمبر ۱۰۱

www.KitaboSunnat.com

خواتین کے لیے عدل کے حکم میں آتا ہے۔

غلاموں کے بارے میں حدیث میں ہے کہ صہیب رومیؓ کو بارگاہِ رسالت پناہ ﷺ میں وہی قرب حاصل تھا جو حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کو حاصل تھا۔ حضرت اُسامہؓ امیرِ لشکر بنائے گئے جو بظاہر غلام زادہ تھے، لیکن اسلام نے اُن کو وہ سربلندی عطا کی تھی کہ ان کی قیادت وامارت میں بڑے بڑے ذی حشم خاندان کے افراد اور عزت وسروری کے کلاہ کج سروں پر رکھنے والے قبائل کے افراد جو دولتِ ایمان سے سربلندی حاصل کر چکے تھے، جوش ایمانی اور جذبۂ جہاد سے سرشار ان کو اپنا رہنما بنائے منزلِ مقصود کی طرف گامزن تھے۔ دنیا اس مساوات اور معاشرتی عدل کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ نے غلاموں کے بارے میں متعدد مرتبہ اِرشاد فرمایا: ''یہ تمہارے بھائی ہیں.....

«فأطعموه مما تأكلون، واكسوه مما تكتسون» [21]

''جو خود کھاؤ اُنہیں کھلاؤ، جو خود پہنو اُنہیں پہناؤ۔''

عن أبي مسعود الأنصاري قال: كنت أضرب غلامًا لي فسمعت من خلفي صوتًا: اِعلم أبا مسعود»..... فالتفتُّ فإذا هو رسول الله ﷺ فقلت: يا رسول الله ﷺ! هو حرٌّ لوجه الله قال: «أما [إنك] لو لم تفعل لَلَفَحَتْكَ النار» [22]

''حضرت ابومسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنے غلام کو مارے جا رہے تھے۔ کسی نے پیچھے سے آواز دی جان لے ابومسعود! اُنہوں نے مڑکر دیکھا تو حضور ﷺ تھے، عرض کی: میں نے اسے آزاد کر دیا، فرمایا: ''اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ کی آگ تمھیں پکڑ لیتی۔''

عدلِ عائلی کے بارے میں سیدہ عائشہؓ صدیقہ سے روایت ہے کہ مرض الموت کے آخری دِنوں حضور ﷺ نے چاہا کہ میرے گھر میں قیام کریں تو باقی ازواجِ مطہرات سے ایسا کرنے کی اجازت چاہی اور قیام فرمایا، [23] جو عدلِ عائلی کی نمایاں مثال ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وصال کے دن حضرت عائشہؓ کی باری ہی تھی۔

انصاف کرنے میں آپ ﷺ کے نزدیک مسلم اور غیر مسلم، اپنے اور بے گانے میں کوئی فرق

---

[21] ابوداؤد، السنن، ص۷۲۵، حدیث نمبر۵۱۶۲ [22] ایضاً، ص۷۲۵، حدیث نمبر ۵۱۵۹

[23] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ (مطبعہ مصطفیٰ البابی حلبی، مصر) ۲۹۸/۴ تا ۳۰۱

www.KitaboSunnat.com

نہ تھا۔ چنانچہ کئی بار ایسا ہوا کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کے خلاف غیر مسلم کے حق میں فیصلہ دیا مثلاً ایک روایت ہے کہ ایک یہودی کا ایک مسلمان پر قرض تھا۔ اس نے غزوۂ خیبر کے دوران تقاضا شروع کر دیا۔ مسلمان نے مہلت مانگی، مگر یہودی نے مہلت دینے سے انکار کیا۔ آپ ﷺ نے مقروض کو فوری ادائیگی کا حکم دیا اور تعمیل نہ ہونے کی صورت میں قرض خواہ کو اس کے بعض کپڑے لے جانے کی اجازت دی۔ (۴۳)

آپ ﷺ کے مدینہ منورہ آنے سے پہلے بنوقریظہ اور بنونضیر کے مابین قصاص اور دیت کے معاملات میں فرق تھا۔ چنانچہ اگر کوئی نضیری (بڑی قوم کا) کسی قرظی (چھوٹی قوم کے کسی شخص) کو ہلاک کر دیتا تو نصف دیت ادا کی جاتی اور برعکس صورت میں پوری لازمی سمجھی جاتی۔ آپ ﷺ نے اس ناانصافی کو ختم کر دیا اور دونوں کے مابین اس بارے میں مساوات قائم فرمائی۔ (۴۵)

فتح خیبر کے بعد آپ ﷺ نے کھیتی باڑی کا سارا کام یہودیوں کے سپرد کر دیا۔ یہودیوں نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ مسلمان اپنا حصہ لینے کے بعد بھی ان کی فصلوں اور سبزیوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اقلیت (معاہدین) کا مال مسلمانوں کے لیے حلال نہیں ہے۔ اس کے بعد مسلمان ان سے سبزی وغیرہ بھی قیمتاً خرید تے تھے۔ (۴۶)

آپ ﷺ نے ہر معاملے میں عدل سے کام لیا حتیٰ کہ کسی معاہدے میں حد سے تجاوز کرنے سے روکا۔ آپ ﷺ نے تو کسی معاہدے میں بھی ظلم کو برداشت نہیں کیا۔ رسول ﷺ نے فرمایا: اگر تمھیں کسی قوم سے جنگ لڑنی پڑے اور تم ان پر غالب آجاؤ اور وہ تم سے چند شرائط پر صلح کرلے تو تمہارے لیے ان مقررہ شرائط سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔ (۴۷)

«من قتل معاهدًا في غير كنهه حرم الله عليه الجنة» (۴۸)

''جس نے بلاوجہ کسی معاہد کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا۔''

حدود کے معاملے میں عدلِ نبوی ﷺ

حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں ایک لڑکی یا لونڈی بالیاں پہنے ہوئے گھر سے باہر نکلی تو ایک یہودی نے اسے پتھر مارا۔ وہ لڑکی زخمی حالت میں نبی ﷺ کی خدمت میں

---

(۴۳) احمد بن حنبل، المسند (دارالفکر، بیروت) ۲/۲۴۳ (۴۵) ابوداؤد، السنن، ص ۵۱۵، حدیث نمبر ۳۵۹۱

(۴۶) الواقدی، محمد بن عمر، کتاب المغازی (عالم الکتب، بیروت) ۲/۶۹۱

(۴۷) ابوداؤد، السنن، ص ۴۰۱، حدیث نمبر ۲۷۵۹ (۴۸) ایضاً، ص ۴۰۱، حدیث نمبر ۲۷۶۰

www.KitaboSunnat.com

لائی گئی جبکہ ابھی اس میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«من قتلكِ، فلان قتلكِ؟» فقالت: لا، برأسها قال: «من قتلك، فلان قتلك؟» قالت:لا، برأسها. فرفعت رأسها فقال لها في الثالثة: «فلان قتلكِ؟» فخفضت رأسها فدعا به رسول الله فقتله بين الحجرين[29]

''فلاں شخص نے تجھے قتل کیا؟ اس لڑکی نے اپنے سر کے اشارے سے کہا: نہیں حضور ﷺ نے اس سے کہا کس نے تجھے قتل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے فلاں شخص نے قتل کیا ہے؟ اس نے پھر اپنے سر سے اشارہ کیا: نہیں۔ تیسری بار آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ فلاں شخص نے تجھے قتل کیا ہے؟ تو اس نے اپنا سر اثبات میں نیچے کر دیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی کو بلوایا اور دو پتھروں کے درمیان رکھ کر اسے قتل کرا دیا۔''

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اُن کی پھوپھی ربیع بنت نضر نے انصار کی ایک لونڈی کا اگلا دانت توڑ دیا تو اس کے گھر والوں نے ان سے قصاص کا مطالبہ کیا۔ یہ ان سے معافی کے طلب گار ہوئے، اُنہوں نے انکار کر دیا۔ اُنہوں نے دیت کی پیشکش کی تو اُنہوں نے اس کے لینے سے بھی انکار کر دیا۔ وہ نبی ﷺ کے پاس آئے تو اُنہوں نے کتاب اللہ کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا۔[30]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ جھگڑے کا فیصلہ نبی ﷺ کے پاس لے کر آئے تو نبی کریم ﷺ نے اُنہیں قصاص کا حکم دیا۔ ربیع کے بھائی، انسؓ بن مالک کے چچا، انسؓ بن نضر نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپؐ ربیع کا اگلا دانت توڑیں گے؟ اللہ کی قسم آپ ﷺ اس کا دانت نہیں توڑیں گے۔ دوسری روایت میں ہے، آپ اس کا اگلا دانت نہیں توڑیں گے۔ جب کہ وہ اس لونڈی کے گھر والوں سے معافی اور دیت کا مطالبہ کر چکے تھے۔ رسول ﷺ نے فرمایا اے انسؓ: کتاب اللہ قصاص کا مطالبہ کرتی ہے۔ جب ربیع کے بھائی، جو انسؓ کے چچا اور اُحد کے شہید ہیں، نے قسم اُٹھائی تو وہ لوگ راضی ہو گئے۔ اُنہوں نے معاف کر دیا اور دیت قبول کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں، اگر وہ اللہ پر قسم ڈال دیں تو اللہ اسے ضرور پورا کرتا ہے۔[31]

---

[29] صحیح بخاری: ۶۸۷۷، ابوداود: ۴۵۲۹

[30] مسلم، الجامع الصحیح (دارالسلام، الریاض، ۱۹۹۸ء) ص ۷۴۳، حدیث نمبر ۴۳۷۴

www.KitaboSunnat.com

ماعز بن مالکؓ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ اُنہوں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے زنا کا اعتراف کیا: "فأمر به أن يرجم"(۳۲) "پس آپ ﷺ نے اُسے رجم کرنے کا حکم دیا" اور اُن کو رجم کردیا گیا۔ اسی طرح ایک حاملہ عورت کو بچے کی پیدائش کے بعد رجم کیا گیا۔ جب یہ ثابت ہو چکا تھا کہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ ایک غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑے لگائے، جبکہ اس کے خلاف زنا کا جرم ثابت ہو چکا تھا۔(۳۳)

نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص پیش کیا گیا جس نے صفوان بن اُمیہ کے کپڑے چوری کئے تھے۔ عدالتی جرح کے نتیجہ میں اس شخص کا جرم ثابت ہوگیا تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا دی گئی۔(۳۴)

اسی طرح فتح مکہ کے وقت نبی اکرم ﷺ نے ایک مال دار عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا:

"عن عائشة قالت: كانت امرأة مخزومية تستعير المتاع وتجحده، فأمر النبي ﷺ بقطع يدها"(۳۵)

"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ مخزومی قبیلے کی ایک عورت چوری کرتی تھی اور پھر انکار کرتی تھی۔ نبی ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔"

دوسری روایت میں ہے کہ اس نے حضرت اُسامہؓ کی سفارش رسول اللہ ﷺ کے ہاں بھیجی تو آپؐ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوئے کہ اگر بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور کمزور آدمی کو سزا دیتے اور فرمایا:

«وأيم الله لو أن فاطمة بنت محمّد سرقت لقطعت يدها»(۳۶)

"اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے اس چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا جس نے دوسروں کا مال چرا لیا تھا۔ اور اس نے عدالت کے سامنے اقبالِ جرم کر لیا تھا۔(۳۷)

---

(۳۱) الموسوعة القضائية مترجم (فلاح فاؤنڈیشن، لاہور) ص ۸۹

(۳۲) ابوداؤد، السنن، ص ۶۲۲، حدیث نمبر ۴۴۱۹

(۳۳) ایضاً، ص ۶۲۵، حدیث نمبر ۴۴۴۵

(۳۴) ایضاً، ص ۶۱۸، حدیث نمبر ۴۳۹۴

(۳۵) ایضاً، ص ۶۱۵، حدیث نمبر ۴۳۷۴

(۳۶) ترمذی، السنن، ص ۳۴۶، حدیث نمبر ۱۴۳۰

(۳۷) ابوداود، السنن، حدیث نمبر ۴۳۸۰

www.KitaboSunnat.com

عائلی زندگی کے بارے میں عدل نبوی ﷺ

عن ابن عباس قال: إن جارية بكرًا أتت النبی فذكرت أن أباها زوَّجها وهي كارهة فخيَّرها النبي ﷺ [38]

''ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اس کے باپ نے اس کی ناپسندیدگی کے باوجود اس کا نکاح کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اسے اختیار دے دیا کہ چاہے تو اپنا نکاح باقی رکھے چاہے توڑ دے۔''

عن ابن عباس قال: جاء ت امرأة ثابت بن قيس بن شماس إلى النبي ﷺ فقالت: يارسول الله! ما أنقم على ثابت في دين ولا خلق، إلا أني أخاف الكفر. فقال رسول الله: فتردين عليه حديقته قالت: نعم فردَّت عليه وأمره ففارقها [39]

''ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں ثابت کے دین اور اخلاق میں کوئی عیب چینی نہیں کرتی۔ البتہ مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس کی فرمانبرداری نہیں کرسکوں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو اس کا باغ اس کو لوٹا دے گی؟ کہنے لگی: ہاں۔ چنانچہ اس نے باغ لوٹا دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی جدائی کا فیصلہ دے دیا۔''

طلَّق ركانة بن عبد يزيد أخو بني المطلب امرأته ثلاثًا في مجلس واحد فحزن عليها حزنًا شديدًا فسأله رسول الله كيف طلقتها؟ فقال طلقتها ثلاثًا فقال في مجلس تلك واحدة فارجعها إن شئت قال فراجعها [40]

''رکانہ بن عبد یزید بنو مطلب کے بھائی نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں۔ پھر اسے بہت افسوس ہوا۔ تو حضور ﷺ نے اس پوچھا کہ تو نے کیسے طلاق دی تھی۔ اس نے کہا: میں تین طلاقیں دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ایک مجلس میں؟ اس نے کہا: ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تو ایک ہے، چاہے تو رجوع کرلے، پس اس نے رجوع کرلیا۔''

لعان کے مقدمات میں بھی آپ ﷺ کے بصیرت افروز ارشادات ملتے ہیں۔ مثلاً

---

[38] ایضاً، ص۳۰۳، حدیث نمبر۲۰۹۶ [39] البخاری، الجامع الصحیح، ص۹۴۳، حدیث نمبر۵۲۷۶

[40] ابن قیم، اعلام الموقعین (مطبعہ التجاریہ، القاہرہ، ۱۹۶۲ء) ۲۹۱/۴

www.KitaboSunnat.com

عن أبي هريرة أن رجلاً أتى النبي ﷺ فقال: يارسول الله! ولد لي غلام أسود، فقال:« هل لك من إبل ؟» قال: نعم قال: «ما ألوانها؟» قال: حمر، قال:« هل فيها من أورق؟» قال نعم. قال: «فأنّى ذلك؟» قال: لعله نزعه عِرق قال: «فَلَعلَّ ابنك هذا نزعه» [41]

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! میرے ہاں سیاہ رنگ کا بچہ پیدا ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ کہا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے رنگ کیسے ہیں۔ اس نے کہا: سرخ تو فرمایا ان میں کوئی ازرق (سیاہی مائل) ہے؟ اس نے کہا: ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کہاں سے آیا؟ اس نے کہا: شاید اوپر کی نسل میں کوئی چیز ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے بیٹے میں بھی شاید اسی طرح اوپر کی نسل سے کوئی چیز آ گئی ہو۔''

عن عبدالله أن رجلا من الأنصار قذف امرأته فاحلفهما النبي صلى الله عليه وسلم ثم فرَّق بينهما [42]

''حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ انصار کے ایک مرد نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی تو حضور ﷺ نے قسم لی، پھر دونوں میں تفریق کرادی۔''

اسلامی نظامِ عدل وقضا کی خصوصیات

اسلام کی اس سربلندی اور عظمت کی سب سے بڑی وجہ عدل وانصاف پر مبنی اسلام کا وہ نظامِ قضا ہے جس کے تحت اسلامی مملکت کے ہر شہری کو آسان اور سستا انصاف ہر آن میسر آتا ہے کہ ہر کوئی بغیر کسی دِقت اور پریشانی کے اپنے حقوقِ ذاتی کا تحفظ آسانی سے کرسکتا ہے۔ اسلام کا یہ نظام اپنی جگہ بے مثال ہے اور ایسی خصوصیات کا حامل کہ جن میں یہ منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ ذیل میں انہی خصوصیات کا بیان ہے:

① عدلیہ کی اسلامی اساس

کوئی بھی عدلیہ اپنے وجود کے اعتبار سے بیکار محض ہے اگر اس کی پشت پر رہنمائی کے لیے کوئی محکم اساس نہ ہو، دوسرے لفظوں میں عدل کا معیار اور مستحکم میزان انصاف کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ اسلامی عدلیہ کی محکم اساس قرآن وسنت اور اجماع وقیاس کے اُصولِ اربعہ پر مبنی

[41] البخاری، الجامع الصحیح، ص ۹۴۸، حدیث نمبر ۵۳۰۵ [42] ایضاً، ص ۹۴۸، حدیث نمبر ۵۳۰۱

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ مسائل کے استنباط اور قوانین کے اخذ واستفادہ کے لئے قرآن وسنت کی حیثیت اُصول استنادی کی ہے کہ جنہیں دین میں دلیل شرعی اور حجت ہونے کی بنا پر سند کے طور پیش کیا جاتا ہے جبکہ اجماع وقیاس اجتہاد کے بنیادی اُصول قرار پاتے ہیں کہ جن کی رہنمائی میں مجتہد اور فقیہ مسائل کے لیے محنت اور کوشش کرتا ہے۔

② انفرادی حقوق کی ضمانت

نبی اکرم ﷺ نے جس معیاری نظامِ عدل وقضا کو دنیا کے سامنے پیش فرمایا، اس کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نظام کے ذریعہ مملکت کے ہر فرد کے حقوق کی مکمل طور پر ضمانت دی گئی ہے۔ اسی لیے یہ بات اربابِ حکومت کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ مملکت کے ہر باشندے کی عزت وآبرو، جائیداد ومال جسم وجان اور چادر وچاردیواری کے تحفظ کا اہتمام کریں۔ اور عدل وانصاف کی بنیاد پر ہر اس شخص کے حقوق کی پاسداری کا بندوبست کریں جو اس مملکت کا شہری ہے ورنہ وہ نااہل تصور ہوں گے اور اپنی کوتاہیوں اور فرائض سے غفلت پر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہے

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ [۴۳]

''بلا شبہ تم کو اللہ اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دو اور جب لوگوں میں تصفیہ کرنے بیٹھو تو انصاف کے ساتھ تصفیہ کرو۔''

③ شخصی آزادی

اسلامی عدل وانصاف کی ایک بہت ہی خوبصورت خوبی شخصی آزادی کا ہونا ہے۔ آپ ﷺ نے ہر فرد کو ہر قسم کے حاکمانہ جبر واستحصال سے نجات دلائی۔ نبی ﷺ کا یہی واقعہ شخصی آزادی کے تحفظ کے لیے کافی ہے:

عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده أن أخاه أو عمّه قام إلى النبي ﷺ وهو يخطب فقال: جيراني بما أخذوا؟ فأعرض عنه مرتين ثم ذكر ما شاء فقال النبي ﷺ «خلُّوا له عن جيرانه» [۴۴]

''بہز بن حکیمؒ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (والد کے بھائی یعنی چچا)

---

[۴۳] النساء: ۵۸

[۴۴] ابوداود، السنن ص ۵۲۱، حدیث نمبر ۳۶۳۱

www.KitaboSunnat.com

حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے درآنحالے کہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ اُنہوں نے سوال کیا میرے پڑوسیوں کو کس قصور میں گرفتار کیا گیا ہے تو نبی ﷺ نے اس سے دومرتبہ سے صرفِ نظر کیا۔ تو اس شخص نے پھر کچھ کہا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو۔''

نبوی معاہدات کا مجموعہ 'میثاقِ مدینہ' رائے اور مسلک کی آزادی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ پورا خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کے تحفظ کا عظیم اوّلین چارٹر ہے۔

④ قانون کی حکومت

اسلامی نظامِ عدل وقضا کی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہاں پر آزاد، غلام، امیر، غریب، کمزور، توانا، کالے، گورے یا حاکم ومحکوم کی کوئی تفریق نہیں اور قانون کی نظر میں سب کے سب برابر کی حیثیت کے مالک ہیں۔ اس نظام میں بادشاہ یا امیر مملکت بھی عدالت کے روبرو ویسے ہی کٹہرے میں کھڑا ہوگا جس طرح ایک عام آدمی کھڑا ہوتا ہے اور اپنے مقدمے کی پیروی کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابی ابن کعبؓ کے ساتھ مقدمہ کے وقت امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب جب حضرت زیدؓ بن ثابت کی عدالت میں پہنچے تو آپ کو دیکھ کر حضرت زیدؓ نے درمیان میں فرش پر جگہ کشادہ کردی اور عرض کیا: امیر المومنین! یہاں تشریف رکھئے۔ یہ بات آپؓ کو ناگوار گزری جس پر آپ نے فرمایا:

هٰذا أوّل جورٍ جريت في حكمك ولكن أجلس مع خصمي''[۳۵]

''یہ پہلا ظلم ہے جو تمہارے فیصلے میں ہوا ہے میں تو اپنے مدمقابل کے ساتھ ہی بیٹھوں گا۔''

⑤ آسان اور سستا انصاف

حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ کے ہمراہ یمن کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو دونوں کو وصیت فرمائی:

''یسّرا ولا تُعسّرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا''[۳۶]

''نرمی برتنا، دشواری پیدا نہ کرنا، خوشخبری سنانا، نفرت انگیزی نہ کرنا اور باہم متحد رہنا۔''

---

[۳۵] مقالاتِ سیرت (حصہ اوّل) نویں قومی سیرت کانفرنس (وزارتِ مذہبی اُمور، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد ۱۹۸۴ء) ص ۹۰

[۳۶] ابوداؤد، السنن، ص ۱۰۶۷، حدیث نمبر ۶۱۲۴

www.KitaboSunnat.com

اس لیے یہ بات ہرگز جائز نہیں ہے کہ عوام کے لیے انصاف کے حصول کو مشکل بنا دیا جائے اور ایسے قواعد وضوابط وضع کیے جائیں جن سے عام آدمی اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے دوسروں کا دست نگر ہو کر رہ جائے اور عدل وانصاف تک نہ پہنچ سکے۔

پاکستان میں عدل وانصاف کے ادارے

۱۵/جولائی ۱۹۴۷ء کو برطانوی پارلیمنٹ میں مسودہ 'قانون استقلالِ ہند' منظور ہوا۔ ۱۸/جولائی کو شاہِ انگلستان نے اس کی منظوری دی۔ عارضی دستور کے طور پر کام دینے کے لیے 'گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء' کی ترمیم کی گئی جو اگست ۱۹۴۷ء سے دونوں نوآبادیوں میں 'انڈیا آرڈر ۱۹۴۷ء' کی رو سے نافذ کیا گیا۔[۴۷]

فیڈرل کورٹ کا قیام: ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت ایک فیڈرل کورٹ قائم کیا گیا جو صوبوں اور ریاستوں کے قانونی تنصیفوں کا ذمہ دار تھا۔ یہ ایک چیف جسٹس اور چھ ججوں پر مشتمل تھا۔ اس کا کام یہ بھی تھا کہ صوبوں اور فیڈرل اسمبلی کے دائرہ کار کو آئینی حدود سے باہر نہ نکلنے دے۔[۴۸]

چنانچہ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کو ہی چند ترامیم کرکے پاکستان کے عبوری آئین کے طور پر اختیار کیا گیا۔ ۲۲/مارچ ۱۹۴۹ء کو لیاقت علی خاں کی تحریک پر آئین ساز اسمبلی نے مولانا عثمانی کے لیاقت علی خاں وسردار عبدالربّ نشتر کے ساتھ مل کر اقتدارِ اعلیٰ، جمہوریت، بنیادی حقوق اور اقلیتوں کے حقوق سے متعلق قرار دادِ مقاصد مرتب کی اور اسے منظور کرکے پاکستان کی نظریاتی سمت کا تعین کر دیا۔[۴۹]

۱۹۵۶ء کے تحت سپریم کورٹ، پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور اسکو اعلیٰ اختیارات دیئے گئے۔

مرکزی عدالتی نظام: ۱۹۶۲ء کے آئین کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ عدلیہ آزاد تھی۔ آئین کی رو سے پاکستان میں ایک سپریم کورٹ کا قیام عمل میں لایا گیا جو ایک چیف جسٹس اور دیگر ججوں پر مشتمل تھا اور جن کی تعداد کا تعین بذریعہ قانون کیا گیا۔ سپریم کورٹ پاکستان کی سب سے اعلیٰ ترین عدالت تھی۔ آئین کے تحت سپریم کورٹ کو اس کا اختیار تھا کہ وہ مرکزی مقنّنہ کے کسی ایکٹ کے احکام اور مرتب کردہ قواعد کے تابع کسی فیصلے یا حکم کی، جو اس نے صادر کیا ہو، نظر ثانی کر

---

[۴۷] سید ریاض حسن، پاکستان ناگزیر تھا (شعبہ تصنیف، کراچی یونیورسٹی، کراچی) ص ۵۲۳

[۴۸] محمد مجاہد فاروق، پاکستان کی نظریاتی تاریخ حکومت اور سیاست (نیو بک پیلس، لاہور) ص ۵۷

[۴۹] چودھری محمد اعظم، پاکستان کا آئین 1973ء، ص ۴۰

www.KitaboSunnat.com

سکے۔ (آئین پاکستان ۱۹۶۲ء)

صوبائی عدالتی نظام: یہ قرار دیا گیا کہ ایک ہائی کورٹ کے جج کو صدر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور متعلقہ صوبے کے گورنر سے مشورہ کے بعد مقرر کریں گے۔ ہائی کورٹ کے جج کے لیے پاکستان کا شہری ہونا لازم قرار دیا گیا۔

۱۹۷۳ء کا آئین اور عدلیہ: دستور میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کا اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا اور عدلیہ کی آزادی کو برقرار رکھا گیا۔

۱۹۷۳ء کے آئین میں ترامیم اور عدالتی نظام: تیسری ترمیم ۱۹۷۵ء: اس ترمیم کے ذریعے امتناعی نظر بندی کے قوانین میں ردّوبدل کیا گیا۔ چوتھی ترمیم ۱۹۷۵ء امتناعی نظر بندی کے قوانین میں مزید ردّوبدل کی گئی۔ پانچویں ترمیم ۱۹۷۶ء چیف جسٹس سپریم کورٹ و ہائی کورٹس اور جج صاحبان کے عہدہ کی معیاد ریٹائرمنٹ کی شرط میں تبدیلی کی گئی۔ چھٹی ترمیم سپریم کورٹ کے چیف جسٹس صاحبان ہائی کورٹ کے اختیارات میں کمی کی گئی۔

وفاقی شرعی عدالت: ۱۹۸۰ء میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے وفاقی شرعی عدالت کا قیام عمل میں لایا گیا۔

بارہویں ترمیم ۱۹۹۱ء: گھناؤنے، وحشیانہ جرائم میں ملوث افراد کے مقدمات کی تیزی سے سماعت کے لیے انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت قائم کی گئی۔

پاکستانی عدالتوں کی تقسیم

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی عدالتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

① ضابطۂ فوجداری کے تحت فوجداری عدالتوں پر قائم نظام عدالت

② ضابطۂ دیوانی کے تحت دیوانی عدالتوں کا نظام

① **عدالتِ فوجداری کی ذمہ داری:** مجموعہ ضابطہ فوجداری تعزیری قوانین کا ایک مکمل ضابطہ ہے جو ایسے جرائم سے متعلق ہے جو ملکی معاشرے پر بالواسطہ یا بلاواسطہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً قتل غارت گری، چوری، ڈکیتی، اغوا، دھوکہ دہی اور بدکاری وغیرہ۔

② **عدالتِ دیوانی کی ذمہ داری:** وہ مقدمے جو ترکے، جائیداد کی تقسیم، جائیدادوں کے رہن، خرید وفروخت اور انتقال وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں، دیوانی مقدمات کہلاتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی چند ایسی عدالتیں ہیں جو پاکستان میں انصاف فراہم کرنے کا ذریعہ بنتی

www.KitaboSunnat.com

ہیں مثلاً جرگہ، پنچائیت، مصالحتی عدالتیں، دہشت گردی کی خصوصی عدالتیں، افواجِ پاکستان کی عدالتیں، لیبر کورٹس، قاضی عدالتیں، شریعت کورٹس، سروس ٹریبونلز اور اس کے علاوہ نابالغ مجرمان کی عدالتیں۔ قبل اس کے کہ ہم دونوں قسم کی عدالتوں کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کریں، اس امر کی نشاندہی ضروری ہے کہ پاکستان کے موجودہ نظام ہائے عدالت کی بنیاد برطانوی قانون دان لارڈ میکالے کے وضع کردہ قانونی نظام پر رکھی گئی ہے۔ جس نظامِ عدل کو انگریز حکمرانوں نے برصغیر پاک وہند میں رائج کیا تھا، وہی نظامِ عدل قیامِ پاکستان کے بعد بھی قائم رکھا گیا، گو کہ اس میں چند ترامیم بھی کی گئیں تاہم بنیادی طور پر انگریزی قانونی وعدالتی نظام ہی پاکستان میں رائج رہا ہے۔

سنٹرل جوڈیشل سسٹم (Central Judicial System)

مرکزی عدالتی نظام: ۱۹۶۲ء کے آئین کی رو سے پاکستان میں ایک سپریم کورٹ کا قیام عمل میں لایا گیا جو ایک چیف جسٹس اور دیگر ججوں پر مشتمل تھا اور جن کی تعداد کا تعین بذریعہ قانون کیا گیا۔ سپریم کورٹ پاکستان کی سب سے اعلیٰ عدالت ہے:

The Supreme Court of Pakistan

(Introduction) "The Supreme Court shall consist of chief Justice to be known as the **Chief Justice of Pakistan** and so many other judeges as may be determined by Act of [*Majlis-e-Shora* or Parliment] or, until so determined as may be fixed by the president.[50]

''عدالتِ عظمیٰ ایک چیف جسٹس پر مشتمل ہوگی جسے چیف جسٹس آف پاکستان کہا جائے گا۔ اور اتنے دیگر ججوں پر مشتمل ہوگی جس کی تعداد مجلس شوریٰ کے ایکٹ کے ذریعہ متعین کی جائے یا اس طرح تعین ہونے تک جو صدر مقرر کرے۔''

تشریح: عدالتِ عظمیٰ پاکستان میں عدل وانصاف کا اعلیٰ ترین ادارہ ہے، اسے یہ نام ۱۹۵۶ء کے آئین کے تحت دیا گیا تھا۔ اس سے قبل اسے 'فیڈرل کورٹ آف پاکستان' کہا جاتا تھا۔ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء کے دساتیر میں بھی اس کا نام بدستور عدالتِ عظمیٰ (سپریم کورٹ) ہی رہنے دیا گیا۔

[50] Khan, Makhdom Ali "The Constitution of Republic of Pakistan" 1973, Karachi, (Pakistan Law Book House) p.86

www.KitaboSunnat.com

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کا تقرر صدرِ مملکت کرتا ہے۔

پاکستان میں ضابطہ دیوانی کے تحت قائم کردہ دیوانی عدالتیں

دیوانی عدل: اگر وہ فعل یا ناجائز ترکِ فعل جس سے حق تلفی ہوئی ہو، جرم کی تعریف میں نہ آتا ہو یا سزا دلانے سے اس کو جس کی حق تلفی ہوئی ہے، کوئی خاص فائدہ نظر نہ آئے تو دیوانی عدالت میں چارہ جوئی کرنا مناسب ہوتا ہے۔ پاکستان میں اس وقت جو دیوانی عدالتیں قائم ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

❁ عدالتِ عالیہ (High Court): اس سے مراد کسی مقامی رقبہ یا علاقہ کی سب سے بڑی عدالت ہے۔ عدالتِ عالیہ میں وہ عدالتیں شامل ہیں جن کو صوبائی حکومت وقتاً فوقتاً بذریعہ اشتہار عدالتِ عالیہ قرار دیں۔ عدالتِ عالیہ اور دوسری عدالتوں میں فرق طریقۂ کار اور اختیارات کے استعمال کی نوعیت کا ہے۔ پاکستان میں چاروں صوبوں کی ہائی کورٹس موجود ہیں، جس میں ابھی حال ہی میں اسلام آباد ہائی کورٹ کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔

ڈسٹرکٹ سیشن جج (District Judge): ہر ضلع میں سب سے بڑی عدالت ڈسٹرکٹ جج کی ہوتی ہے۔ کراچی کو چھوڑ کر سارے ڈسٹرکٹ کورٹ 'اپیل کی عدالت' ہوتی ہے۔ ڈسٹرکٹ جج کی عدالت کے علاوہ چند دوسری عدالتیں بھی ضابطہ دیوانی کے تحت پاکستان میں قائم ہیں۔

سینئر سول جج (Senior Civil Judge): یہ ڈسٹرکٹ جج کی طرف سے ضلع کی دیوانی عدالتوں کی نگرانی کرتا ہے۔ ایسے جج کے فیصلے کیخلاف ڈسٹرکٹ کورٹ میں اپیل دائر کی جاسکتی ہے۔

سول جج درجہ اوّل (First Class Civil Judge): یہ ڈسٹرکٹ جج کی طرف سے ضلع کی دیوانی عدالتوں کی نگرانی کرتا ہے۔ سینئر سول جج کے فیصلے کے خلاف اپیل ڈسٹرکٹ کورٹ میں دائر کی جاسکتی ہے۔

سول جج درجہ دوم (Second Class Civil Judge): سول جج درجہ دوم پانچ ہزار روپے تک کی مالیت کے مقدمات کی سماعت کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اس کے فیصلوں کے خلاف بھی اپیل ڈسٹرکٹ کورٹ میں کی جاسکتی ہے۔

سول جج درجہ سوم (Third Class Civil Judge): صرف دو ہزار روپے تک کے مقدمات کی سماعت کا اختیار رکھتا ہے۔ اس کے فیصلوں کے خلاف اپیل سینئر سول جج کی عدالت میں کی جاسکت ہے۔

www.KitaboSunnat.com

عدالتِ خفیفہ: دیوانی وفوجداری اور سیشن عدالتوں کے علاوہ ضلع میں حسبِ ضرورت عدالت ہائے خفیفہ ہوتی ہیں۔ اس قسم کی عدالتوں کو پانچ سو روپے تک مالی اور دیوانی معاملات کی سماعت کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ جن اضلاع میں عدالتِ ہائے خفیفہ ہیں، وہاں کا کام ایڈیشنل سول جج کی عدالت سرانجام دیتی ہیں۔[۵۱]

ان عدالتوں کے علاوہ بھی پاکستان میں دیوانی اختیارات کی حامل عدالتیں ہیں۔ اَراضی یا اس کی پیداوار کے متعلق مالک ومزارع میں جو تنازعات ہوتے ہیں، ان کا تصفیہ مال گزاری کی عدالتیں کرتی ہیں۔ مال گزاری کی عدالتیں حسبِ ذیل ہوتی ہیں:

① کلکٹر کی عدالت ② ڈپٹی کلکٹر کی عدالت
③ اسسٹنٹ کلکٹر کی عدالت ④ سب ڈویژنل افسر کی عدالت
⑤ تحصیل دار کی عدالت ⑥ نائب تحصیلدار کی عدالت

صوبہ میں مال گزاری کے مقدمات کی سماعت کے لیے سب سے بااختیار ادارہ 'ریونیو بورڈ' ہے۔ بورڈ کے فیصلوں کے خلاف اپیل نہیں کی جاسکتی۔

فوجداری عدالتوں کی تقسیم

ہائی کورٹ (High Court) اور ان دیگر عدالتوں کے علاوہ جو کسی قانون نافذ الوقت کے تحت قائم کی جائیں، پاکستان میں پانچ قسموں کی فوجداری عدالتیں ہوں گی:

① عدالت ہائے سیشن کورٹ ② پریزیڈنسی مجسٹریٹ (حذف ہوئی)
③ مجسٹریٹ درجہ اوّل ④ مجسٹریٹ درجہ دوم
⑤ مجسٹریٹ درجہ سوم اور خصوصی مجسٹریٹ

سیشن کورٹ: ضلع کی سطح پر فوجداری مقدمات کے سلسلے میں سب سے بڑی عدالت سیشن عدالت ہوتی ہے۔ یہ عدالت سزائے موت تک دے سکتی ہے لیکن اس پر عمل درآمد سے پہلے ہائی کورٹ کی توثیق ضروری ہے۔ سیشن کورٹ ماتحت عدالتوں یعنی مجسٹریٹوں کی عدالتوں کے خلاف اپیل سننے کا اختیار رکھتی ہے۔

بنیادی طور پر پاکستان میں ضابطہ دیوانی اور فوجداری کی عدالتیں اپنے فرائض سرانجام دے رہی ہیں اور وہی دو مجموعہ ہائے قانون یعنی ضابطہ دیوانی اور ضابطہ فوجداری نافذ العمل ہے۔

---

[۵۱] اُردو انسائیکلوپیڈیا، ص ۶۸۹

www.KitaboSunnat.com

ضابطہ دیوانی اور فوجداری کی چند مخصوص عدالتیں

ضابطہ دیوانی اور فوجداری کی چند مخصوص عدالتیں بھی ہیں جو بنیادی طور پر ضابطہ فوجداری اور دیوانی کے تحت ہی کام کرتی ہیں اور پاکستان کے نظام کا حصہ ہیں جن میں مندرجہ ذیل عدالتیں قائم ہیں:

۱۔ مصالحتی عدالتیں ۲۔ نابالغ مجرموں کی عالتیں
۳۔ قاضی عدالتیں ۴۔ لیبر کورٹس
۵۔ انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالتیں ۶۔ قاضی محتسب کی عدالتیں
۷۔ فیملی کورٹس ۸۔ نارکوٹکس (منشیات) کی عدالتیں
۹۔ جرگہ اور پنچائیت کی عدالتیں ۱۰۔ قاضی شرعی عدالت
۱۱۔ افواجِ پاکستان کی عدالتیں ۱۲۔ سروس ٹریبونلز وغیرہ

مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کے تحت پاکستانی عدالتیں مندرجہ ذیل سزائیں صادر کرسکتی ہیں:

① قصاص ② دیت ③ اَرش ④ ضمان ⑤ تعزیر ⑥ موت ⑦ عمر قید
⑧ سزائے قید جو دو قسم پر مشتمل ہے: (i) قید بامشقت (ii) قید محض
⑨ ضبطی جائیداد اور ⑩ جرمانہ

اس وقت بشمول چیف جسٹس فل بینچ میں بارہ جج صاحبان شامل ہیں۔ عدالتِ عظمیٰ کا کوئی فیصلہ جس حد تک کہ اس میں کسی امر قانونی کا تصفیہ کیا گیا ہو یا وہ کسی اُصولِ قانون پر مبنی ہو یا اس کی وضاحت کرتا ہو، پاکستان میں تمام دوسری عدالتوں کے لیے واجب التعمیل ہوگا۔[۵۲]

اسلام نے اپنے ابدی قوانین کو اسلامی معاشرے کے لیے رائج کیا اور اس کے فوائد آج چودہ سو سال گزرنے کے باوجود قائم ودائم ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد حکومتوں نے بیرونی استعماری طاقتوں کی سازش پر ایسا ماحول ملک کے اندر پیدا کردیا کہ عوام میں یہ رائے پیدا کی جانے لگی کہ اسلامی نظام کا نفاذ اس ملک کے لیے ممکن اور موزوں نہیں ہے۔ یہاں پر پہلے ہمارے عدالتی نظام کی چند خامیاں بیان کی جاتی ہیں اور بعد ازاں چند ایک تجاویز پیش کی جاتی ہیں جو پاکستان میں اسلامی نظامِ عدل قائم کرنے کے لیے فائدہ مند ہوں گی۔

---

[۵۲] رہنمائے وکالت، ص ۴۲۸

www.KitaboSunnat.com

موجودہ عدالتی نظام کی خامیاں

۱۔ اسلامی عدالتی نظام کے برعکس پاکستان میں مروّجہ نظام ہائے عدالت آزاد وخودمختار نہیں ہے۔ پاکستان کے تمام دساتیر جب بنائے گئے، عدالتوں میں عدلیہ کی آزادی اور خودمختاری کے وعدے تو کیے گئے مگر ان پر عمل درآمد نہ کیا گیا۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں بھی اس بات کی تائید تو موجود تھی مگر تاحال اس پر عمل درآمد نہ ہوسکا۔

۲۔ پاکستان میں عدالتیں سربراہِ مملکت، وزیراعظم، گورنر اور وزرا کے خلاف مقدمات ازخود چلانے کی مجاز نہیں ہیں۔ اعلیٰ حکام کے خلاف حکومت سے پیشگی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح غیرملکی سفرا کے خلاف مقدمات بھی نہیں چلائے جاسکتے، یہ امتیازی سلوک کی واضح مثالیں ہیں۔

۳۔ ججوں کی اسامیاں بعض دفعہ میرٹ کی بجائے سیاسی بنیادوں پر پُر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حکومتیں عدلیہ کے فیصلوں پر اثر انداز ہونے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں۔ ماتحت عدالتوں میں مجسٹریٹ انتظامیہ کے ماتحت ہوتے ہیں۔

۴۔ پاکستان میں مروّجہ عدالتی نظام انتہائی پیچیدہ ہے جس کی وجہ سے مقدمات طول پکڑتے ہیں اور نتیجتاً ملزمان سزا سے بچ نکلتے ہیں۔

۵۔ شہادت کا نظام انتہائی ناقص ہے، گواہ عدالتوں میں پیش ہی نہیں ہوتے۔ پولیس چالان داخلِ عدالت کرنے میں تاخیر کرتی ہے۔ گواہوں کی جانچ اور پرکھنے کا کوئی معیار ونظام مقرر نہیں ہے۔

۶۔ ملزمان کی طرف سے سرکاری وکلا پیروی نہیں کرتے ہیں اور ذاتی مفادات، حکومتی پالیسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ نیز صحیح طور پر مقدمات کی پیروی کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

۷۔ ماتحت عدالتیں بلاجواز ملزم کو ریمانڈ کے ذریعے حوالہ پولیس کردیتی ہیں۔

۸۔ جیل سے قیدیوں کو پیش کرنے کا نظام ناقص ہونے کی وجہ سے عدالتیں ہر تاریخ سماعت پر سماعت ملتوی کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔

۹۔ ماتحت عدالتوں کے افسران انتظامی افسران ہونے کی وجہ سے لاء اینڈ آرڈر کنٹرول کرنے میں مصروف رہتے ہیں جس کی وجہ سے عدلیہ سے متعلق اُمور تاخیر کا شکار ہوجاتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

۱۰۔ عدالتوں کی تعداد میں کمی کی وجہ سے ایک عدالت میں کافی تعداد میں مقدمات زیر سماعت رہتے ہیں جس کی وجہ سے عدالتیں ان پر مکمل توجہ نہیں دے پاتیں۔

۱۱۔ عدالتوں پر حکومتی وسیاسی دباؤ ڈالا جاتا ہے۔جس کی بنا پر عدالتیں اپنے آزادانہ فیصلوں میں دشواری محسوس کرتی ہیں۔

۱۲۔عدالتی افسران، اہلکاروں کی تنخواہیں اور مراعات معاشرتی ضرورتوں سے ہم آہنگی نہیں رکھتیں۔

۱۳۔عدالتوں کے جج صاحبان کو تحفظ فراہم نہیں کیا جاتا اور ان کی زندگیوں کو ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے۔

۱۴۔ہمارے عدالتی نظام کے اندر ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ ایک ملک کے اندر مختلف قوانین چل رہے ہیں، کہیں انگریزی قوانین کے مطابق فیصلہ ہو رہا ہے، کہیں شریعت کے مطابق، ایک ہی کیس میں اپیل کے لیے اتنے سارے فورم ہیں کہ فیصلے پر عمل درآمد دشوار ہو جاتا ہے۔[۵۳]

۱۵۔سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی اسلامی ریاست میں قرآن وسنت ہی عدل وانصاف کی بنیاد اور میزان قرار پا سکتے ہیں، جبکہ خدا بیزار انسانی قوانین معاشرے میں حقیقی عدل وانصاف قائم کرنے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں اللہ اور اس کے رسول کو ہی اپنا حکم تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی اور گنجائش موجود نہیں ہے۔ اس لحاظ سے قیام پاکستان کی اساس کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کی بنیادی ضرورت یعنی نفاذِ شریعت کو مدنظر رکھنا ضروری ہے اور یہی پاکستان میں عدل کی ناگفتہ بہ حالت کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

پاکستان کے عدالتی نظام کی اصلاح کے لیے تجاویز

سب سے پہلی تجویز یہ ہے کہ اسلامی نظام عدالت رائج کیا جائے۔تحصیل اور ضلعی سطح پر قاضی کورٹس قائم کی جائیں۔اور ہر تھانہ میں قاضی کورٹ ہو، جہاں سرکاری وکیل تعینات ہوں، سیکولر بنیادوں پر نافذ قوانین کو اولین فرصت میں ختم کر کے شریعت اسلامیہ کا نفاذ کیا جائے۔

۱۔ وفاقی شرعی عدالت کو سپریم کورٹ میں ضم کر کے اس کے ججوں کو سپریم کورٹ کے ججوں کے برابر تسلیم کیا جائے، ہر ہائی کورٹ میں کم از کم ایک تہائی تعداد مفتیوں کی ہو۔

---

[۵۳] کنیز فاطمہ، اسلامی نظام عدل کی روشنی میں پاکستان کے عدالتی نظام کا تحقیقی مطالعہ (مقالہ ڈاکٹریٹ شعبہ معارفِ اسلامیہ، جامعہ کراچی ۲۰۰۵ء) ص ۳۸۶، ۳۸۷

www.KitaboSunnat.com

۲۔ اسلامی نظریاتی کونسل کو مزید فعال بنایا جائے۔ اگر کسی قانون کی کوئی دفعہ سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کی نظر میں فیصلے میں اس کا تذکرہ کردے اور متعلقہ حصہ اسلامی نظریاتی کونسل کو بھیج دے تو کونسل کے لیے لازمی ہو کہ وہ ایک مہینے کے اندر اندر اپنی رپورٹ اسمبلی اور کورٹ کو بھیج دے۔

۳۔ عدالتی آسامیاں اہل، قابل، دیانت دار، محنتی اور اسلامی قانون کے ماہرین سے پر کی جائیں۔ سفارش اور اقربا پروری عدلیہ کے لیے جائز نہیں ہے بلکہ ایک جج کے لیے ضروری ہے کہ قرآن وسنت اور فقہ کا ماہر ہو اور جدید تعلیم سے آشنا ہو، کیونکہ عدل کی میزان کتاب وسنت ہیں اور جج انہی کی بنا پر فیصلہ کرکے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہوسکتا ہے۔

۴۔ شہادت کے نظام کو بہتر بنایا جائے۔ ملزم کو عدالت میں بروقت پیش کیا جائے۔ اس کے ساتھ گواہان اور مثل مقدمہ پیش کیا جائے تاکہ تاخیر نہ ہو، بلاجواز ریمانڈ نہ دیا جائے۔ جو عدالت ملزم کو جیل بھیجے، اس کی نگہبان بھی وہی عدالت ہو جو اس کا ریکارڈ رکھے اور اُسے عدالت میں منگوانے کا انتظام کرے یا جیل میں جاکر اس کا فیصلہ کردے۔

۵۔ عدلیہ اور انتظامیہ کو الگ الگ کیا جائے۔ انتظامیہ کی ذمہ داری امن وامان کا قائم رکھنا اور ریونیو اکٹھا کرنا ہو جبکہ عدالتیں صرف عدالتی کام کریں۔ عدالتی افسران کیلئے ایل ایل بی، قرآن وحدیث، فقہ اسلامی اور مسلم قاضیوں کے فیصلوں سے آگاہی لازمی قرار دی جائے۔

۶۔ جج صاحبان کو خصوصی مراعات دی جائیں۔ ان کی تنخواہوں اور مراعات کو معاشی ومعاشرتی ضروریات کے مطابق کیا جائے۔ جج صاحبان کو تحفظ فراہم کیا جائے تاکہ وہ بلاخوف وخطر فیصلے کرسکیں۔

۷۔ عدالتوں کو سیاسی اور حکومتی دباؤ سے آزاد رکھا جائے تاکہ وہ بلاخوف وخطر فیصلے کرسکیں۔

۸۔ عدالتوں کے اختیارات میں اضافہ کیا جائے۔ قوانین میں تبدیلی کی جائے تاکہ سربراہِ مملکت، اعلیٰ حکام، وزرا اور سفرا وغیرہ پر مقدمہ چلانے کے لیے اجازت کی ضرورت نہ رہے۔ امتیازی سلوک کو ختم کیا جائے اور قانون کی نظر میں عام شہری حکمران طبقے کے برابر ہو۔

۹۔ جرائم میں ملوث یا غفلت ورشوت ستانی کے مرتکب افسران اور اہلکاروں کو عبرتناک سزا دی جائے۔

www.KitaboSunnat.com

۱۰۔ ایف آئی آر درج کرنا انتہائی آسان ہو اور پولیس کی طرف سے ایف آئی آر درج ہونے کے پندرہ دن کے اندر اندر مقدمہ کا چالان عدالت میں پیش ہونا چاہیے، خواہ چالان مکمل ہو یا نامکمل ہو۔ عدالت چاہے تو چالان مکمل کرنے کے لیے مزید ایک مہینہ دے سکتی ہے۔ مقدمے کی مکمل سماعت ایک مہینے کے اندر اندر شروع کی جائے اور اس کی سماعت سے پہلے ساری کاغذی کاروائیاں مکمل ہونی چاہیے۔

۱۱۔ مقدمات کی تاریخوں کا موجودہ طریقہ کار بالکل ختم کیا جانا چاہیے۔ ایک دفعہ مقدمہ کی سماعت شروع ہوجائے تو پھر یہ سماعت مسلسل اس وقت تک جاری رہنی چاہیے جب تک تمام گواہوں کے بیانات اور وکیلوں کی بحث ختم نہ ہوجائے۔ مقدمہ کی سماعت مکمل ہونے کے پندرہ دِن کے اندر اندر فیصلہ سنانا ضروری ہو۔ اس طریقے سے کوئی بھی مقدمہ چھ مہینے سے زیادہ نہیں لے گا۔ کوشش کی جائے کہ مقدمہ ایک ماہ میں ختم ہو۔

۱۲۔ اگر کسی تحصیل ہیڈ کوارٹر میں ایک فوجداری اور ایک دیوانی سیشن جج پر کام کا بوجھ زیادہ ہے تو وہاں دو یا دو سے زیادہ سیشن ججوں کو تعینات کیا جائے۔ مقدمات کی سماعت مختصر اور آسان ہو۔

۱۳۔ وکلا کی فیسیں عام آدمی کو انصاف کی راہ سے دور رکھتی ہیں۔ پاکستان میں غربت انصاف کی راہ میں سب سے بڑی روکاوٹ ہے۔ وکلا صاحبان کی فیسیں اس قدر زیادہ ہیں کہ ایک غریب آدمی کے لیے انصاف حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنی طرف سے وکیل کے اخراجات ادا کرے۔

۱۴۔ وفاقی محتسب کے ادارے کو مزید فعال بنایا جائے۔ جہاں صرف ایک سادہ درخواست لکھ دینے سے انسان کے لیے انصاف کا راستہ نکل آتا ہے جس سے سرکاری محکموں کی ناانصافیوں کے خلاف عام آدمی کو انصاف مہیا ہونے میں آسانی پیدا ہوگی۔

۱۵۔ تمام عدالتوں کے ججوں کے لیے یہ اُصول اختیار کیا جائے کہ اگر وہ مقرر وقت کے اندر کیس کا فیصلہ نہیں کریں گے تو یہ ان کا ایک ڈِس کریڈٹ شمار ہو۔ ان کو لازماً انصاف کی فوری فراہمی کا بندوبست کرنا چاہیے۔ ججوں کو اضافی وقت صرف کرنے کا اضافی معاوضہ دیا جائے۔ اس سے ان کی استعدادِ کار میں اضافہ ہوگا۔

www.KitaboSunnat.com

۱۶۔ بعض وکلا اپنے مؤکلین کے فائدے کے لئے تاخیری حربوں کا سہارا لیتے ہیں، اگر ایک جج چاہے تو ان چیزوں کو بڑی آسانی سے کنٹرول کرسکتا ہے۔

۱۷۔ ترقی یافتہ ممالک میں وکلا گروپ کی شکل میں پریکٹس کرتے ہیں۔ اس طرح کسی وکیل کی بیماری یا چھٹی کو وجہ سے کیس کی سماعت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لیے پاکستان میں بھی وکلا گروپ کی شکل میں اگر پریکٹس کریں گے تو ایک وکیل کی غیر حاضری میں دوسرا وکیل کیس کو چلا سکے گا اور مقدمات کا فیصلہ بروقت ہوجائے گا۔

۱۸۔ محکمہ پولیس کی اصلاح کی جائے، کیونکہ ملزمان عدالت میں پہنچ کرنا کارہ شہادتوں کی ناقص کاروائیوں اور قانونی موشگافیوں کے ذریعے بری ہوجاتے ہیں۔ اصل ملزم کے گرفتار ہونے اور سزایاب ہونے کا مکمل انحصار پولیس کی تفتیش اور عدالت میں مقدمہ کی پیروی پر منحصر ہے۔ اگر صحیح خطوط پر تفتیش ہوا اور صحیح معنوں میں مقدمہ کی پیروی ہو تو ملزم سزا سے بری ہوجاتے ہیں۔ پولیس مقدمہ درج ہی نہیں کرتی۔ مدعی مقدمہ درج کرانے کے لیے سفارش کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے، اکثر اصلی مجرم پولیس کی غلط تفتیش، غلط کاروائی، غلط رپورٹنگ اور عدم پیروی سے سزا سے بچ جاتے ہیں۔

۱۹۔ جیلوں کی اصلاح کی جائے، جیل میں قیدیوں کو رکھنے کا مقصد ان کی اصلاح کرنا ہے۔ ان کے کیے کی سزا دینا اور دوسروں کو عبرت دینا وغیرہ۔ اسلامی نظام میں جیل کا مقصد اصلاح وتربیت گاہ اور عبرت گاہ ہے۔ جیل سے سزا کاٹ کر ایک صحیح انسان بن کر باہر نکلے اور وہ معاشرے کے لیے پریشانی کا باعث نہ ہو اور ناسور نہ رہے جب کہ ہمارے ہاں اکثر لوگ جیل سے واپسی پر بڑے مجرم بن کر آتے ہیں۔

۲۰۔ جیل حکام ملزموں کو بروقت پیشی پر پیش نہیں کرتے جس کی وجہ سے بے گناہ اپنے ناکردہ گناہ کی سزا کاٹنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جیل میں قیدیوں کی اخلاقی، مذہبی، علمی اور فنی تعلیم وتربیت کے لیے کوئی معقول بندوبست نہیں کیا جاتا اور نہ ہی ان کی صحت وصفائی اور خوراک کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں تھانے اور جیلیں مجرم کو مزید مجرمانہ ٹریننگ مہیا کرنے کے ادارے کا کام کرتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

۲۰۔ سرکاری وکلاء کی کارکردگی بہتر بنائی جائے، سیشن کے سرکاری وکلاء کا ٹھیکیداری نظام ختم کیا جائے کیونکہ وہ زیادہ تر اپنے ذاتی مقدمات میں زیادہ محنت اور وقت صرف کرتے ہیں اور سرکاری مقدمات کے لیے فیس کم ہونے کی بناء پر زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ انہیں کل وقتی وکیل مقرر کیا جائے، تاکہ وہ ان مقدمات پر توجہ دے سکیں اور انہیں اچھی تنخواہیں اور مراعات دی جائیں تاکہ وہ دل جمعی سے کام کرسکیں اور بدعنوانی میں ملوث نہ ہوں۔

۲۱۔ تعزیراتِ پاکستان، جو مغربی رنگ لیے ہوئے ہے اس کی جگہ اسلامی حدود وتعزیرات نافذ کی جائیں۔ تعزیراتِ پاکستان میں مقدار کے لحاظ سے سزائیں بہت کم ہیں، خصوصاً کوڑوں کی سزا سوائے حدود آرڈیننس کے شامل نہیں ہے۔ اسلامی قوانین کے مطابق حاکم، سرکاری اہلکار وغیرہ سب کے سب عدالت کے سامنے جواب دہ ہیں جب کہ مغربی قوانین کے مطابق سربراہِ مملکت، وزیراعظم، وزرائے اعلیٰ، گورنر کے خلاف تو عدالتیں کاروائی نہیں کرسکتیں جب کہ سرکاری افسروں کے لیے پہلے مرکز یا صوبائی حکومتوں سے اِجازت لینا پڑتی ہے جو کہ عدل وانصاف کے تقاضوں کے منافی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ ایک عام آدمی سے لے کر سربراہِ مملکت تک شہریوں اور حکام کو عدالت کے سامنے جوابدہ بنایا جائے۔ ایسی تمام مستثنیات خواہ تعزیراتِ پاکستان، ضابطہ فوجداری یا آئین میں جو موجود ہیں منسوخ کی جائیں تاکہ یکسانیت اور مساوات پیدا ہو، تاکہ عدل وانصاف میں تمام اَفراد برابر ہوسکیں۔ [۵۴]

یہی اسلام کی تعلیم اور اسلامی عدل کا طرۂ امتیاز ہے۔

---

[۵۴] ایضاً، ص ۳۸۸ تا ۳۹۰

www.KitaboSunnat.com

تاریخ وسیر

ابومسعود عبدالجبار سلفی

ہندؓ بنتِ عتبہ کے متعلق مبالغہ آمیز قصہ!

عالم اسلام کے عام مؤرخین اور خصوصاً حاقدینِ بنی اُمیہ نے اپنی مؤلفات میں مرویاتِ محمد بن اسحٰق اور مسند امام احمد کی ایک روایت کی بنیاد پر حضرت ہندؓ بنتِ عتبہ قرشیہ کے متعلق بیان کیا ہے کہ اس نے جنگِ اُحد میں حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کا پیٹ چاک کرکے اُن کا جگر چبا ڈالا تھا بلکہ اسے نگلنے کی کوشش بھی کی تھی اور سچی بات یہ ہے کہ ہم خود بھی ان لوگوں میں شامل رہے ہیں جو منبر ومحراب پر ہندِ بنت عتبہ کی سنگدلی کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور ہم آج تک اس قصے کو متفق علیہ سمجھتے رہے، تاآنکہ ہمیں فضیلۃ الشیخ ربیع بن ہادی عمیر مدخلی سابق پروفیسر مدینہ یونیورسٹی کی کتاب مطاعن سید قطب علی أصحاب رسول اللہ ﷺ پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کتاب میں علامہ محمود شاکر مصری کا مقالہ بھی شامل ہے جو انہوں نے اصحابِ رسول ﷺ کے دفاع میں لکھا تھا۔

اس مقالے میں اُنہوں نے ایمان قبول کرکے اسلام کی خاطر زندگیاں وقف کردینے والے صحابہ کرامؓ کے تذکرے کے بعد ہند بنتِ عتبہ قرشیہ کے متعلق لکھا تھا کہ اگر ہند بنت عتبہ کے متعلق حضرت حمزہؓ کے پیٹ چاک کرنے اور ان کے جگر کو چبانے کا قصہ صحیح ثابت ہوجائے تو پھر بھی بہت کم ایسے مرد اور عورتیں نظر آئیں گی جن سے جاہلیت میں ایسے افعال سرزد نہ ہوئے ہوں۔

جب ہم نے یہ الفاظ پڑھے تو ہمیں حد درجہ حیرانی ہوئی اور پھر ٹھنڈے دل سے سوچا کہ اصل حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اس موضوع پر لکھی گئی کتب کا مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ جتنا کسی کا گناہ یا قصور ہو، حکایتاً اسے اتنا ہی بیان کیا جائے اور مبالغہ آمیزی سے بچا جائے۔ ہم اسی فکر میں تھے کہ ہمیں کویت سے شائع ہونے والا مجلّہ 'اُمتی' مل گیا، اس میں فضیلۃ

www.KitaboSunnat.com

الشیخ حای الحای کے مضمون پر نظر پڑی اور ہم نے اسے بالاستیعاب پڑھا۔ زیر نظر مضمون میں ہم اسے تمہید بنا کر اس پر اپنی گذارشات پیش کریں گے۔ اللہ کریم ہمیں اِفراط وتفریط سے بچائے اور حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سیدنا حمزہؓ بن عبدالمطلب ہاشمی کے بعد از شہادت پیٹ چاک کرنے اور ان کے جگر چبانے کے قصے کا دارومدار مسند احمد کی اس مرسل اور منکر المتن روایت پر ہے جو بمع سند اس طرح ہے:

"حدثنا عفان حدثنا حماد حدثنا عطاء بن السائب عن الشعبي عن ابن مسعود أن النساء كنَّ يوم أحد خلف المسلمين يُجهزن على جرحىٰ المشركين، فلو حلفت يومئذ رجوت أن أبرَّ: أنه ليس أحد منا يريد الدنيا حتى أنزل الله عزوجل ﴿مِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ﴾ فلمَّا خالف أصحاب النبي ﷺ وعصوا ما أمروا به أفرد رسول الله ﷺ في تسعة، سبعةٍ من الأنصار ورجلين من قريش وهو عاشرهم، فلما رهِقوه قال: «رحم الله رجلا ردَّهم عنا» قال: فقام رجل من الأنصار فقاتل ساعة حتى قُتل فلمَّا رهقوه أيضًا قال: «يرحم الله رجلا ردّهم عنا» فلم يزل يقول ذا حتى قتل السبعة فقال النبي ﷺ لصاحبه «ما أَنْصَفْنَا أصحابَنا». فجاء أبوسفيان، فقال: أُعلُ هبل! فقال رسول الله ﷺ: «قولوا: "الله أعلىٰ وأجلّ"» فقالوا: الله أعلى وأجل فقال أبوسفيان لنا عزّى ولاعزّى لكم. فقال رسول الله ﷺ قولوا: «الله مولٰنا والكافرون لا مولىٰ لهم»، ثم قال أبوسفيان: يومٌ بيومِ بدر، يوم لنا ويوم علينا، ويوم نُسَاءُ ويومٌ نُسَرُّ، حنظلة بحنظلة، وفلان بفلان، وفلان بفلان فقال رسول الله ﷺ: «لا سواءً أما قتلانا فأحيَاءٌ يُرزقون، وقتلاكم في النار يُعذَّبون» قال أبوسفيان: قد كانت في القوم مثلةٌ، وإن كانت لَعَنْ غير ملإٍ منا ما أمرت ولا نهيت، ولا أحببتُ ولا كرهتُ، ولاسَاءَنِيْ وَلاَ سَرَّنِيْ قال: فنظروا، فإذا حمزة قد بُقِرَ بطنه، وأخذت هند كبده فَلاَكَتْها، فلم تستطع أن تأكلها، فقال رسول

www.KitaboSunnat.com

الله ﷺ: «أ أكلت منه شيئًا؟» قالوا:لا ، قال: «ما كان الله ليُدخل شيئًا من حمزة النار»، فوضع رسول الله ﷺ حمزةً فصلى عليه، وجيء برجل من الأنصار فوضع إلى جنبه فصلى عليه فَرُفع الأنصاري وتُرِك حمزة ثم جيء بآخر فوضعه إلى جنب حمزة فصلى عليه ثم رُفع وتُرك حمزة حتى صلى عليه يومئذ سبعين صلاة (۴۶۳/۱)

''امام احمدؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں عفان نے حماد کے حوالے سے اور حماد نے ان کو عطا بن سائب کے حوالے سے بیان کیا کہ شعبی کے ذریعے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت منقول ہے کہ جنگِ اُحد کے دن مسلمان عورتیں مسلمانوں کے پیچھے تھیں اور وہ مشرکین کے زخمیوں پر حملہ آور ہوکر ان کا کام تمام کر دیتی تھیں، اور اگر میں اس دن حلف اُٹھا کر کہتا کہ ہم میں سے کوئی بھی دولت دنیا کا ارادہ نہیں رکھتا تھا تو میں پُر امید تھا کہ میں سچا ثابت ہوں گا یہاں تک کہ اللہ نے یہ آیت نازل فرمادی ﴿مِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ﴾ جب رسولِ اکرم ﷺ کے صحابہ نے آپؐ کے حکم کی خلاف ورزی کی تو آپؐ ۹ صحابہ کے ساتھ ایک طرف ہوگئے، ان میں سات انصاری تھے اور دو قریشی اور ان میں دسویں آپ ﷺ خود تھے۔ جب کفار قریش نے آپؐ کو نرغے میں لے لیا تو آپؐ نے فرمایا: اللہ اس آدمی پر رحم فرمائے جو اُنہیں ہم سے دور ہٹا دے، راوی کہتا ہے کہ انصار میں ایک صحابیؓ آگے بڑھا اور گھڑی بھر لڑتا ہوا شہید ہوگیا، جب اُنہوں نے پھر گھیرا تنگ کیا تو آپؐ نے فرمایا: اللہ اس آدمی پر رحم فرمائے جو اُنہیں ہم سے دور ہٹا دے۔ آپؐ اسی طرح فرماتے رہے یہاں تک ساتوں انصاری یکے بعد دیگرے لڑتے شہید ہوگئے، تو رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ہم نے اپنے ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا۔ چنانچہ ابوسفیان آیا اور کہنے لگا۔ اُعل هبل (ہبل کا اقبال بلند ہو)۔ آپؐ نے فرمایا: تم کہو: الله أعلىٰ وأجل (اللہ تعالیٰ اعلیٰ اور بزرگ تر ہے)۔ ابوسفیان نے کہا: لنا عزىٰ ولكم لا عزىٰ لكم (ہمارا عزیٰ ہے تمہارا عزیٰ کوئی نہیں)۔ آپؐ نے فرمایا: تم جواب دو: الله مولانا ولا مولىٰ لكم (ہمارا مولیٰ اللہ ہے اور تمہارا مولیٰ کوئی نہیں) پھر ابوسفیان نے کہا: آج کا دن یومِ بدر کے بدلہ کا ہے۔ کوئی دن ہمارے لئے اور کوئی دن ہمارے برخلاف، کسی دن ہم بے وقعت اور کسی دن ہم خوش بخت، حنظلہ کے بدلے حنظلہ کے، فلان کے بدلے فلان کے، اور فلان کے بدلے

www.KitaboSunnat.com

فلان کے۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کسی طرح سے برابری نہیں، ہمارے مقتول تو زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں جبکہ تمہارے مقتول دوزخ میں عذاب دیئے جارہے ہیں۔ابوسفیان نے کہا: قوم میں کچھ افراد کے ناک، کان کاٹے گئے ہیں اور یہ ہمارے سرکردہ جنگجوؤں کا کام نہیں ہے، نہ میں نے اس طرح کرنے کا حکم دیا، نہ اس طرح کرنے سے روکا اور نہ میں نے اسے پسند کیا اور نہ ہی بُرا سمجھا اور نہ تو یہ منظر مجھے بُرا لگا اور نہ ہی اچھا۔راوی کہتا ہے کہ جب اُنہوں نے دیکھا تو حضرت حمزہؓ کا پیٹ پھاڑا گیا تھا اور ہند نے ان کا جگر چبایا، لیکن اسے نگل نہ سکی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا اس نے اس سے کچھ کھایا ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا: نہیں۔آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ وہ حمزہؓ کے بدن کے کسی جز کو آگ میں داخل کرے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حمزہؓ کو سامنے رکھ کر ان کی نمازِ جنازہ پڑھی، اسی دوران ایک انصاری شہید لایا گیا اور اسے سیدنا حمزہ کے پہلو میں رکھ دیا گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی بھی نمازِ جنازہ پڑھی، پھر انصاری کو اُٹھالیا گیا اور سیدنا حمزہؓ کو چھوڑ دیا گیا پھر دوسرے شہید انصاری کو لایا گیا اور اسے حمزہؓ کے پہلو میں رکھ دیا گیا اور ان پر نمازِ جنازہ پڑھی گئی پھر اسے اُٹھا لیا گیا اور حمزہؓ کو چھوڑ دیا گیا یہاں تک کہ اس روز سیدنا حمزہؓ پر ستر مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔''

یہ طویل حدیث جسے محدثِ مصر علامہ احمد شاکر نے سہواً صحیح قرار دیا ہے، یہ دو اعتبار سے ضعیف بھی ہے اور شاذ بھی اور منکر بھی ہے۔ضعیف تو اس اعتبار سے کہ اس روایت کے راوی امام شعبی کا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سماع ثابت نہیں ہے۔جیسا کہ امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن حاتم رازیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ ابوحاتم رازی سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ شعبی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سماع نہیں کیا اور شعبیؒ حضرت عائشہؓ کے حوالے سے جو کچھ بیان کریں گے، وہ مرسلاً ہی ہوگا۔البتہ حضرت مسروق حضرت عائشہؓ سے روایت کیا کرتے تھے۔(دیکھئے کتاب المراسیل: ۶/۵۹۱)

اس بنا پر یہ روایت منقطع ثابت ہوئی۔مزید برآں اس حدیث میں عطا بن سائب کی وجہ سے بھی ضعف ہے۔ چنانچہ امام ابن کثیرؒ اپنی تاریخ میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: تفرد به أحمد وهذا إسناد فيه ضعف أيضا من جهة عطاء بن

www.KitaboSunnat.com

السائب. (التاریخ از حافظ ابن کثیر:۴/۴۰،۴۱)

''اس روایت کو بیان کرنے میں امام احمد منفرد ہیں اور اس میں عطاء بن سائب کی وجہ سے ضعف بھی ہے۔''

امام ہیثمیؒ مجمع الزوائد میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وفیه عطاء بن سائب وقد اختلط (۶/۱۱۰) اگرچہ علامہ احمد شاکرؒ بیان فرماتے ہیں کہ یہ روایت اختلاط سے قبل کی ہے، لیکن ان کا اختلاط روایتِ مذکورہ میں اظہر من الشمس ہے اور وہ اس طرح کہ

◉ صحیح بخاری ودیگر کتبِ صحاح میں مسلمان عورتوں کے مشرکین زخمیوں پر حملہ آور ہونے کا ذکر نہیں ہے جبکہ یہاں اس بات کا ذکر ہے کہ مسلمان عورتیں زخمی مشرکوں پر حملہ آور ہو رہی تھیں۔

◉ صحیح احادیث میں: یوم لنا ویوم علینا، ویوم نُسَاءُ ویوم نُسَرُّ، حنظلة بحنظلة وفلان بفلان کا ذکر بھی نہیں ہے جبکہ اس روایت میں مسجع ومقفیٰ عبارت موجود ہے جو خود ساختہ معلوم ہوتی ہے۔

◉ اس روایت میں ذکر ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان نے جواب میں خود فرمایا: لا سواءً أما قتلانا فأحیاء یُرزقون وقتلاکم في النار یُعذَّبون جبکہ صحیح حدیث میں منقول ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے اس مفہوم کا جواب دیا تھا۔

◉ اس روایت میں اس بات کا ذکر ہے کہ ابوسفیان نے پہلے أعلُ هُبل کا نعرہ لگایا تھا جبکہ صحیح احادیث میں ہے کہ اس نے دامنِ اُحد میں کھڑا ہو کر پوچھا تھا کہ تم میں محمد ﷺ موجود ہے؟ کیا تم میں ابن ابی قحافہ ہے؟ کیا تم میں ابن خطاب ہے، پھر اس کے بعد اس نے أعلُ هبل کہا تھا۔

◉ اس روایت میں ہے کہ حضرت رسولِ کریم ﷺ نے شہدائے اُحد کی فرداً فرداً نمازِ جنازہ پڑھی اور حضرت حمزہؓ کی ستر مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھی جبکہ صحیح احادیث میں ہے کہ آپؐ نے شہدائے اُحد کو نہ تو غسل دیا تھا اور نہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی بلکہ اُنہیں خود شہادت سمیت دفن کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں اس میں کئی ایسی باتیں اور بھی ہیں جو اس روایت کے شاذ ہونے پر دلالت

www.KitaboSunnat.com

کرتی ہیں۔

◉ اس روایت کا متن بھی منکر ہے اور وہ اس طرح کہ اس روایت میں ذکر ہے کہ آپ نے پوچھا: «أ أكلت منها شيئا؟» قالوا: لا، «قال ما كان الله ليدخل شيئًا من حمزة النار» اس روایت کا مدعا ہے کہ ہند بن عتبہ اسلام قبول نہیں کرے گی اور جہنم میں داخل ہوگی کیونکہ اللہ نے حمزہؓ بن عبدالمطلب کے بدن کے کسی جز کو ایسے بدن میں داخل نہیں ہونے دیا جو آگ میں جلنا ہے۔ جبکہ صحیح بخاری جیسی کتبِ صحاح میں صحیح الاسناد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندؓ نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا اور ساری زندگی اسلام و ایمان پر قائم رہی بلکہ فتح الباری میں امام ابن حجر عسقلانیؒ نے یہ بھی بیان کیا ہے: کہ وكانت من عقلاء النساء اور پھر حضرت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دیتے وقت اس کی گفتگو سے اس کی دانش مندی پر کئی پہلوؤں سے استدلال کیا۔ (۱۴۱/۷)

اگرچہ مذکورہ بالا روایت کے بعض مندرجات کی دیگر شواہد احادیث میں تائید موجود ہے لیکن ہند کے حضرت حمزہؓ کے پیٹ چاک اور ان کا جگر چبانے کی بات کسی طرح بھی صحیح طور سے ثابت نہیں ہوتی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا حمزہؓ بن عبدالمطلب جیسے اسد اللہ واسد رسولہ کی شہادت نہایت الم ناک ہے، لیکن اس میں مرکزی کردار حضرت جبیر بن مُطعم کا ہے جس نے اپنے چچا طعیمہ بن عدی کا بدلہ لینے کے لئے وحشی بن حرب کو خصوصی طور پر مشن سونپا تھا اور اس نے محض اپنی آزادی کی خاطر بزدلانہ حملہ کرکے آپ کو شہید کردیا تھا۔

باقی رہی یہ بات کہ شہداے اُحد کا مثلہ تو ہوا تھا تو ہم بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ یقیناً ان کا مثلہ ہوا تھا، لیکن یہ سارا کام صرف ہند بنتِ عتبہ قرشیہ نے سرانجام نہ دیا تھا بلکہ اس کے ساتھ دیگر خواتین یا مشرکین بھی شریک تھے جو اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرتے رہے، لیکن جہاں تک پیٹ چاک کرکے کلیجہ یا جگر چبانے یا شہداے کرام کے ناک، کان کاٹ کر ہار بنانے اور اسے گلے میں لٹکانے اور پھر اس وحشی بن حرب کو ہدیہ دینے جیسی روایات منقول ہیں تو ایک طرف تو وہ سنداً صحیح نہیں، دوسری طرف فطرتِ انسانی بھی اِنہیں قبول کرنے سے اِبا کرتی ہے اور عقل سلیم بھی اسے تسلیم نہیں کرتی، کیونکہ وحشی بن حرب کی حضرت حمزہؓ سے دشمنی نہ تھی۔ وہ تو جبیر بن مطعم کا غلام تھا اور حضرت حمزہؓ نے جبیر بن مطعم کے چچا طعیمہ بن عدی کو جنگِ بدر میں قتل کیا تھا، اس لئے جبیر نے اپنے چچا کا انتقام لینے کے لئے وحشی کو آزادی کا لالچ دے کر حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔ اور اس نے محض اپنی آزادی کی خاطر یہ بزدلانہ اور

www.KitaboSunnat.com

گھناؤنا جرم کیا تھا، لہٰذا اسے کٹے ہوئے اعضاے انسانی اپنے گلے میں پہننے کی ضرورت ہی نہ تھی، اسے تو آزادی کی ضرورت تھی جو اسے مل گئی۔ نہ وہ ہند بنت عتبہ کا غلام تھا اور نہ ہی ہند نے اسے حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا تھا، اسے تو جبیر بن مطعم کا منصوبہ کام دے گیا۔

بعدازاں حضرت جبیرؓ بن مطعم اور ہندؓ بنت عتبہ اور وحشیؓ بن حرب نے اسلام قبول کرلیا اور اسلام کی خاطر شاندار خدمات سرانجام دیں۔ فتح الباري اور الاصابہ وغیرہ میں شرح وبسط سے ان کے قبولِ اسلام کا قصہ مرقوم ہے۔ اگر ہندؓ بنت عتبہ نے حضرت حمزہؓ کے جسدِ اطہر سے ایسا سلوک کیا ہوتا تو حضرت رسولِ کریم ﷺ نے اسے قبولِ اسلام کے وقت ایسا تو کہہ دینا تھا کہ ہند تیرا اِسلام تو قبول ہے، لیکن اُٹھ کر چلی جا اور آئندہ میرے سامنے نہ آنا، کیونکہ مجھے شہید چچا کی المناک شہادت یاد آجایا کرے گی، لیکن آپؐ نے ایسا نہیں فرمایا بلکہ اس کے بجائے طبقاتِ ابن سعد: ۸/۱۷۱ میں منقول ہے کہ وہ حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا: يا رسول الله! الحمد لله الذي أظهر الدين الذي اختار لنفسه لتنفعني رحمك يا محمد! إني إمرأة مؤمنة بالله مصدقة برسوله"

''اے اللہ کے رسول ﷺ! تمام طرح کی حمد وثنا اللہ کے لئے جس نے اس دین کو غالب کردکھایا جسے اس نے اپنے لئے پسند کیا۔ اے محمد ﷺ! مجھے (عفو و درگزر) کی صورت میں آپؐ سے قرابت داری کا نفع ملنا چاہئے۔ میں اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کرنے والی عورت ہوں۔''

بعدازاں اس نے کہا:

''میں ہند بنتِ عتبہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مرحبًا بكِ '' (خوش آمدید)

پھر وہ یوں گویا ہوئی: ''والله ما كان على الأرض أهل خباء أحب إلي من أن يذلوا من خبائك . ولقد أصبحتُ: وما على الأرض أهل خباء أحب من أن يعزوا من خبائك"

''اللہ کی قسم! روے زمین پر مجھے آپ کے گھرانے سے بڑھ کر کسی گھرانے کا ذلیل ہونا محبوب نہ تھا اور آج میری کیفیت یہ ہے کہ روے زمین پر مجھے آپ کے گھرانے سے بڑھ کر کسی گھرانے کا عزت دار ہونا محبوب نہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: وزيادة اور بخاری کی روایت میں وأيضًا والذي نفسي بيده

پھر اس نے جہادِ یرموک میں جو بے مثال خدمات سرانجام دیں، وہ تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

LRL No. 183
Vol. 40 No. 9
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے — زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700